ماہنامہ
طلوعِ اسلام
قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
لاہور
دسمبر 2012ء

تقدیر/مشیتِ الٰہی

قَدر ' کے بنیادی معنی اندازہ' پیمانہ ہیں یا کسی چیز کو اندازہ اور پیمانے کے مطابق بنا دینا۔ نیز کسی چیز کے تناسب اور توازن کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھنا۔ اس عمل کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز پر پوری پوری مقدرت حاصل ہو' اس لئے قدر کے معنی کسی چیز پر اقتدار و اختیار رکھنے کے بھی ہیں۔ اس لئے مستند لغات میں اس کے معنی فیصلہ کرنے کے آتے ہیں۔ سورہ فرقان میں ہے: خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (25:2) اللہ نے ہر شے کو پیدا کیا۔ پھر ان کے پیمانے اور اندازے مقرر کر دیئے۔ امام راغب نے اس پر بحث کرتے ہوئے اس کی ایک شکل یوں بیان کی ہے کہ کسی شے میں کچھ بننے کی صلاحیتیں رکھ دی گئی ہیں اور وہ رفتہ رفتہ اپنی انتہائی شکل تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے سوا کچھ اور نہیں بن سکتی۔ جیسے بیج میں درخت بننے کی صلاحیت۔ یعنی اس کی ممکنات (Potentialities) کا مشہود (Actualise) ہو جانا اور اس طرح اس کا اپنے آخری نقطہ تک پہنچ جانا۔ یہی اس کی تقدیر ہے۔

تقدیر کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے قرآن کی اصطلاح مشیت (مادہ ش ی ا) پر غور کرنا ہوگا۔ اس کے معنی ہیں ارادہ کرنا' لیکن باعتبار لغت دونوں میں فرق یہ ہے کہ مشیت' ایجاد (پیدا کرنے) کو کہتے ہیں اور ارادہ کے معنی طلب (چاہنے) کے ہیں۔

قرآن نے مشیتِ خداوندی کے تین گوشوں کی وضاحت کی ہے۔ جب ان تین گوشوں کا فرق نگاہوں کے سامنے نہ رہے تو بعض آیاتِ قرآنی سے ایسا مترشح ہونے لگتا ہے گویا انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے اور خدا ہی سب کچھ کرتا ہے۔ مکتب مُلّا یہی تصور سامنے لاتا ہے' حالانکہ قرآن نے اس کی تردید کی ہے۔ ان میں سے چند ایک آیات کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (10:99) اگر خدا چاہتا تو تمام لوگ ایمان والے ہوتے (لیکن خدا نے انہیں مجبور پیدا نہیں کیا) تو اے رسول! کیا تو انہیں مجبور کر کے مومن بنانا چاہتا ہے۔

انسان کو اختیار و ارادہ کی قوت سے سرفراز کرنے کی مزید وضاحت کی کہ:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (76:3)

بیشک ہم نے اسے صحیح راستہ دکھا دیا۔ اب اس کا جی چاہے تو اسے اختیار کر لے اور جی چاہے تو اس سے انکار کر دے۔

قرآن سے تو ہمیں وضاحت ملتی ہے کہ موت اور حیات کی تخلیق کا مقصد ہی انسان کو ودیعت کردہ آزادی ارادہ کی بنا پر تفویض کردہ اختیارات کے تحت ان کے اعمال کا ٹسٹ ہے۔

اِلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ (67:2)

جس (اللہ) نے موت اور زندگی کو پیدا کیا کہ تم آزمائے جاؤ کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔

موت وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر آدمی کا لٹ ہو جاتا ہے کہ وہ احسن اعمال کے نتیجہ میں اس قابل ہو گیا ہے کہ وہ مزید ارتقاء کے لئے نئی حیات کے حصول کا اہل ہے یا نہیں۔ یعنی انسانیت کا جو مقام یا انتہا خدا کا مقصود تھا' اس تک پہنچ پایا ہے یا نہیں۔

اس وضاحت سے انسان کے صاحبِ اختیار و ارادہ ہونے کا ثبوت فراہم ہو جاتا ہے۔ کسی بھی قسم کے ابہام کو دور کرنے کے لئے مشیت خداوندی کے درج ذیل تین گوشے سامنے لا کر شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

مشیت خداوندی کا پہلا گوشہ: یہ وہ گوشہ ہے جس میں خدا اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے اقتدارِ مطلق کی رو سے انسانوں کے لئے قوانین متعین کرتا ہے۔ اس گوشے میں کہا جائے گا کہ وہ ''جو جی میں آتا ہے کرتا ہے۔'' **یفعل مایشاء' یفعل ما یرید' یحکم مایرید' یخلق ما یشاء۔**

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (21:23) اس سے نہیں پوچھا جا سکتا کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے باقی سب سے پوچھا جا سکتا ہے۔

اس گوشہ کو عالم امر کہا جاتا ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (36:82) جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ہی وجود میں آ جاتی ہے (یعنی اس کا آغاز ہو جاتا ہے)۔

مشیت خداوندی کا دوسرا گوشہ: خارجی کائنات جس میں ہر چیز قانون خداوندی کے مطابق عمل کرتی ہے۔ کسی کو اس کی خلاف ورزی کا اختیار نہیں۔ اس گوشے میں ''مایشاء'' کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر بات خدا کے قانون مشیت کے مطابق ہوتی ہے۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (33:38) خدا کا امر' کائنات میں آخر' مقررہ پیمانوں کے اندر آ گیا۔

یعنی ہر شے اس قانون کے تابع آ گئی جو اس کے لئے امر الٰہی نے مقرر کیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی وضاحت کر دی کہ ان قوانین خداوندی (سنت اللہ) میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا (17:77) اور تو ہمارے طریق میں تبدیلی نہ پائے گا۔

مشیتِ خداوندی کا تیسرا گوشہ: انسانی دنیا' جس میں **اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ** (41:40) جو چاہو سو کرو' جو کچھ تم کرتے ہو وہ دیکھنے والا ہے۔ یعنی تم جو چاہو کرو۔ یہ تمہارے اختیار کی بات ہے' لیکن تمہارے ہر عمل کا نتیجہ خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتب ہو گا۔

اس گوشہ میں تحریک (Initiative) یعنی عمل کی ابتدا انسان کی طرف سے ہوتی ہے اور خدا کا قانون مکافات خود بخود اس عمل کی وجہ سے انسان پر لاگو ہو جاتا ہے۔ اسی لئے وضاحت کی گئی ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (10:44) خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا' لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے ہی اعمال کی اصلاح کر کے اپنے حالات میں تبدیلی کر سکتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (13:11)۔ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو نہ بدلیں۔

قرآن نے تو یہاں فرد کے ساتھ ساتھ قوم کی تقدیر کا فیصلہ بھی دے دیا کہ یہ انہی کے ہاتھوں میں ہے۔

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

THE QUR'ANIC SYSTEM OF SUSTENANCE

G.A. Parwez

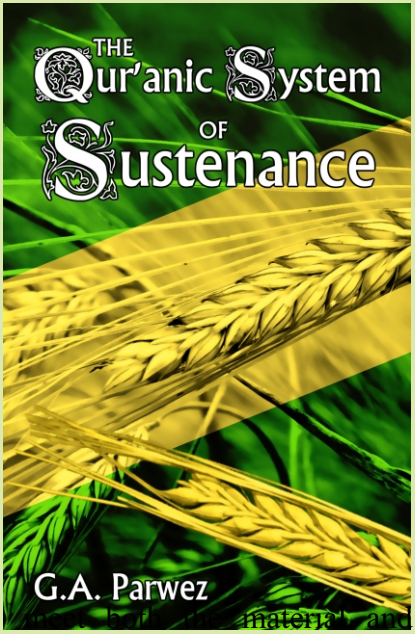

We are pleased to announce the release of the long-awaited translation of *Nizam-i-Rabbubiyat* (1955) by G.A. Parwez. A powerful treatise on the subject of economics, and possibly his most important work. Originally written to address communism as well as capitalism, its warnings and recommendations remain wholly relevant to the prevailing economic conditions of the twenty-first century.

Parwez presents an alternative economic solution to capitalism and socialism, taken directly from the Qur'an. In outlining the Qur'anic 'system of sustenance', he boldly challenges the accepted norms regarding the individual and society. But this alternative goes far beyond the pale of economy. It claims to meet both the material and spiritual needs of human beings thereby encompassing their entire individual and social existence. He argues that the Qur'an alone offers humanity material advancement without decadence, and spiritual advancement without dogmatism.

A must-read for all students of economics and religion.

Published by Islamic Dawn Society & Tolu-e-Islam Trust in association with Libredux Publishing.

Translators: Saleena Karim & Fazal Karim.

Available now at all Amazon stores online: Price: £12.99 UK $15.99 US

Discounted copies (25% off) available to Bazm members based in Europe, US, Canada & Australia / New Zealand for a limited time.

Email Saleena Karim at editor@cyberblurb.co.uk for details, or visit: **https://www.createspace.com/4010886** and apply the discount code:7R3H5RBG
Alternatively contact Mr Maqbool Farhat at mac.farhat@gmail.com

فہرست

لمعات:	ادارہ	3
پرویز صاحب کا نظریہءِ وحی	منظور حسین لیل۔ بھکر	4
اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْن	آصف جلیل (کراچی)	24
مقامِ محمود	خواجہ ازہر عباس	26
اقبال دشمنِ دنیا و دین	عبداللہ ثانی (پشاور)	33
انجیل اور قرآن میں تاریخی شہادت	غلام باری (مانچسٹر)	36
اللہ تعالیٰ کے بارے قرآن مجید کا بیان	عارف محمود کسانہ (سویڈن)	42
قائداعظمؒ کا ایک نایاب انٹرویو	مقبول محمود فرحت (لندن)	45

ENGLISH SECTION

Surah Al-Mulk Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter4	**By G. A. Parwez (Translated by: Dr. Mansoor Alam)**	**49**

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔ فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226	
2- البلال بک ڈپو، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0344-2502141	3- شہباز بک ایجنسی، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32632664
4- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0331-2716587	5- شاہ زیب انٹر پرائزز، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32214259
6- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32628939	7- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32212269
8- مکتبۂ دارالقرآن، اردو بازار، کراچی۔	9- محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631056
10- ایوانِ کتب، اردو بازار، لاہور، فون: 0321-8836932	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ

لمعات

طلوع اسلام کے گذشتہ نصف صدی کے فائل دیکھیں تو ان میں ایک موضوع مسلسل اور متواتر سامنے آتا دکھائی دیتا ہے کہ ہماری نئی نسلیں اس نظریہ سے بیگانہ ہو رہی ہیں جس پر مملکتِ پاکستان کی عمارت استوار ہوئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی ایک جداگانہ مملکت کی اہمیت بلکہ اس کے جواز تک کا احساس مٹتا جا رہا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نظریہ پاکستان کا مثبت تصور اور قائداعظم علیہ الرحمہ کی حقیقی شخصیت سامنے نہیں لائی جاتی۔ دوسری جانب اسلام دشمن، تخریبی عناصر کی طرف سے برابر یہ بتایا جاتا رہا ہے کہ پاکستان کی ساری مصیبتوں اور مشکلات کا راز تقسیم ملک کی ''بنیادی غلطی'' میں پنہاں ہے۔ جو دوست نما دشمن قیام پاکستان کے حق میں بات کرتے بھی ہیں تو کچھ ایسے کہ یہ محض ہندوؤں کی تنگ نظری کا نتیجہ تھا کہ مسلمان ان سے الگ ہونے پر مجبور ہو گئے۔ گویا مطالبۂ پاکستان کا جذبۂ محرکہ کوئی مثبت تقاضا نہیں تھا بلکہ ہندوؤں کی تنگ نظری کا منفی ردعمل تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ تحریک جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی مفاد پرستی کی پیدا کردہ تھی۔ مذہبی پیشوائیت بڑے شدومد سے پرچار کرتی ہے کہ مطالبہ پاکستان کی بنیاد ''مذہب'' پر تھی۔ اس کی طرف سے ''مذہب'' کا جو تصور پیش کیا جاتا ہے، اس پر نوجوان طبقہ جب غور کرتا ہے تو اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مذہبی آزادی کے لئے الگ مملکت کی ضرورت کیا تھی۔ اس قسم کی مذہبی آزادی تو دنیا کے ہر سیکولر ملک کی طرح ہندوستان میں مسلمانوں کو آج بھی حاصل ہے۔ متحدہ ہندوستان کے حامی نیشنلسٹ مسلمان قائداعظم کی ذات پر یہ الزام لگانے میں بھی نہیں شرماتے کہ تحریک تقسیم ہند انگریزوں کی اسکیم تھی اور قائداعظم ان کے آلۂ کار تھے۔

پاکستان کی جداگانہ مملکت اور قائداعظم علیہ الرحمہ کی سیرت و کردار کے خلاف اس قسم کا متواتر اور منظم پروپیگنڈہ روز اول سے ہوتا رہا ہے۔ طلوع اسلام اربابِ حل وعقد اور اصحاب فکر و نظر کی توجہ اس جانب بار بار مبذول کراتا رہا ہے کہ اگر اس کا سدباب نہیں کیا گیا تو خدانخواستہ پاکستان کی سالمیت ہی معرضِ خطر میں آجائے گی۔ اس کے سدباب کا طریق یہ ہے کہ قوم کے تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ کے سامنے اس قرآنی نظریہ کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے جو مطالبۂ پاکستان کی بنیاد تھا اور ہمارے لئے علیحدہ مملکت کا وجہ جواز بنا۔ قائداعظم کی سیرت و کردار کے تابندہ نقوش جو پاکستان کو وجود میں لانے کا ایک بڑا سبب تھا، عوام کے ذہن نشین کرائے جائیں۔ 25 دسمبر جو قائداعظم علیہ الرحمہ کا یوم پیدائش ہے، کی مناسبت سے ہم زیر نظر شمارہ میں قائداعظم کا ایک نایاب انٹرویو آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں تاکہ تحریکِ پاکستان کا حقیقی پس منظر اور قائداعظم کی سیرت کے تابناک گوشوں کا منظر ایک بار پھر تازہ ہو جائے اور یوں ہم اپنے محسن قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ کے یوم ولادت کے موقع پر ان کے شایانِ شان ہدیۂ تحسین و تبریک پیش کر سکیں۔

منظور حسین لیل۔ بھکر

پرویز صاحب کا نظریہءِ وحی

آنکھ بے پناہ صلاحیتوں کے باوجود دیکھنے کے لئے روشنی کی محتاج ہے۔اسی طرح عقل بے پناہ صلاحیتوں کے باوجود زندگی کے مسائل کا مکمل حل تلاش نہیں کرسکتی۔اسے اس مقصد کے لئے خود سے ماوراء ایک ذریعہءعلم (وحی) کی روشنی اور راہنمائی کی ضرورت ہے۔

عقل اور وحی کی ضرورت:۔ انسان کو عقل عطا کی گئی ہے۔جس میں بے پناہ صلاحیتیں رکھ دی گئی ہیں۔اس سے وہ سوچتا ہے۔زندگی گزارنے اور پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے وہ مختلف پروگرام مرتب کرتا ہے۔وہ اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر اپنی اختیار کردہ تدابیر میں کامیاب بھی ہوتا ہے اور ناکام بھی۔ناکامی کی صورت میں وہ اپنے طریق کار کو بدل لیتا ہے۔انسان ایسا کچھ آغاز شعور ہی سے کرتا چلا آرہا ہے۔اس سے گو بہت کچھ حاصل ہوا ہے مگر اپنے مسائل کے حل اور مقاصد کے حصول کے لئے اس نے کھویا بھی بہت کچھ ہے۔بلکہ نقصان فائدے سے کہیں زیادہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ ''کیا تنہا عقل، انسانی زندگی کے مختلف مسائل کا اطمینان بخش حل دریافت کرسکتی ہے۔؟ اگر وہ تنہا ایسا کرسکتی ہے اور اس وقت تک جس قدر مسائل انسان کے سامنے آئے ہیں وہ اُن کا اطمینان بخش حل دریافت کرچکی ہے تو پھر انسان کے لئے وحی وغیرہ کی ضرورت نہیں رہتی۔وہ ہر معاملے کا فیصلہ عقل کی رو سے کرسکتا ہے۔لیکن اگر تنہا عقل ایسا نہیں کرسکتی (جیسا کہ آج تک عقل انسانی، زندگی کے مسائل کے تسلی بخش حل کے بارے میں مضطرب اور بے منزل ہے) تو پھر انسان کو سوچنا پڑے گا کہ کیا عقل سے ماوراء کوئی اور ذریعہ بھی ہے جس سے ان مسائل کا (حقیقی) حل دریافت کیا جا سکے؟۔'' پرویز صاحب کی کتاب ''انسان نے کیا سوچا'' کی لوح پر یہی سوال دعوت فکر دے رہا ہے۔

عقل کا طریق:۔ اس کتاب کے پیش لفظ میں پرویز صاحب رقمطراز ہیں ۔''عقل کا طریق تجرباتی ہے۔وہ مسئلہ پیش نظر کے لئے ایک طریق تجربۃً اختیار کرتی ہے۔اس میں بے حد محنت صرف ہوتی ہے۔وقت لگتا ہے۔جانیں ضائع ہوتی ہیں۔بعض اوقات خون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں۔بستیوں کی بستیاں تباہ ہوجاتی ہیں۔قوموں کی قومیں ہلاک ہوجاتی ہیں۔پھر کہیں صدیوں کے بعد جا کر معلوم ہوتا

ہے کہ وہ تجربہ کیسا رہا؟۔ اکثر اوقات وہ تجربہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے انسانی فکر کو ایک نیا تجربہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ کامیاب ثابت ہوتا ہے تو جس وقت اُس کی ابتداء ہوئی تھی اُس وقت سے لے کر اُس کی آخری منزل تک پہنچتے پہنچتے دنیا آگے نکل چکی ہوتی ہے۔ اُس کے تقاضوں میں تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس لئے انسانی فکر کو اپنے تجربے پر مزید اضافے کرنے پڑتے ہیں۔ عقلِ انسانی اس طرح رفتہ رفتہ، بتدریج، منزل بہ منزل طبقاً عن طبق تجرباتی طریق سے زندگی کے مسائل کے حل میں آگے بڑھتی آرہی ہے۔ خون کے دریا پیرتی، آگ کی خندقیں پھاندتی، مصیبتوں کے پہاڑوں پر سے گزرتی، مشکلات کے سمندروں کو عبور کرتی، ٹھوکریں کھاتی، ہڈیاں تڑواتی اپنے ہمت شکن اور حوصلہ فرسا سفر کو طے کرتی چلی آرہی ہے۔''

پرویز صاحب اپنی اس شہرہ آفاق کتاب میں مسائل زندگی کو حل کرنے کے بارے میں عقل وفکر انسانی کی طویل کاوشوں کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں اور عالم انسانیت کو بتاتے ہیں کہ قدیم فلاسفروں سے لے کر آج تک دنیا کے بڑے بڑے مفکرین، مورخین، سائنسدان، ماہرین سیاست ومعیشت اور علمائے تہذیب وتمدن اس باب میں کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟۔ انسانی مسائل کے حل دریافت کرنے کے لئے عقل انسانی کا طویل سفر اور اس کا نتیجہ اُن کی کتاب ''انسان نے کیا سوچا'' میں بڑے حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ بڑے بڑے مفکرین اور علماء کے پیش کردہ حل اور اُن حلات کی ناپائیداری وناتسلی بخشی کا اعتراف بھی وہ اُن ہی کی زبان سے کراتے ہیں۔ پھر انسانی فکر کی حیرت، استعجاب، موجودہ پریشانی اور انتشار کا ذکر کرتے ہوئے بحث کو یوں سمیٹتے ہیں:۔

پرویز صاحب اپنی کتاب ''انسان نے کیا سوچا'' میں زندگی کے مسائل کے حل کے لئے انسانی فکر کی طویل کاوشوں کا الگ الگ تفصیلی ذکر کرنے کے بعد آخری باب میں اپنی بحث کو یوں سمیٹتے ہیں:۔۔۔ ''آپ نے فکر انسانی کے ہمرکاب بڑی لمبی مسافت طے کی ہے۔ شاید آپ تھک گئے ہوں۔ اس لئے اب اگلی منزل کا سفر اختیار کرنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے سستا لیجئے۔ ذرا لیٹ جائیے۔ اور آنکھیں بند کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ گزری ہوئی منزلیں اور طے شدہ مسافتیں ایک ایک کر کے آپ کے سامنے آتی چلی جائیں گی۔ آپ نے یونان کے فلاسفروں سے لے کر دور حاضرہ کے مفکرین تک، ہر ایک کے ساتھ کچھ وقت کے لئے باتیں کیں۔

طبیعیات:۔ آپ نے دیکھا کہ فکر انسانی نے کائنات پر غور کیا تو پہلے اسے بے جان مٹی کا تودہ خیال کیا۔ لیکن اس کے بعد رفتہ رفتہ اس خیال میں تبدیلی پیدا ہوئی اور وہ آخر الامر اس نتیجے پر پہنچا کہ جسے ہم مٹی کا ڈھیر (مادی دنیا) دیکھ رہے ہیں، یہ درحقیقت مٹی کا ڈھیر نہیں، اس کی اصل، حرکت محض "abstract movement" یا خالص توانائی "pure energy" ہے۔ فکر انسانی اس نتیجے تک تو پہنچ گیا ہے لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس حرکت محض یا خالص توانائی کا سرچشمہ کیا ہے؟۔ اور اس میں یہ گوناگوں نیرنگیاں اور طلسم در طلسم رعنائیاں کس طرح پیدا ہو رہی ہیں؟۔ آج فکر انسانی اس مقام پر متحیر کھڑا ہے۔

مابعد الطبیعیات:۔ پھر آپ نے دیکھا کہ فکر انسانی نے زندگی اور شعور پر غور کیا۔ تو پہلے اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ سب کچھ بے جان مادہ میں میکانکی عمل ارتقاء سے از خود پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے بعد اُس نے مزید تجربوں سے خود ہی اپنی رائے بدل لی۔ اور اب اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ زندگی اور شعور مادہ کے میکانکی عمل کا ماحصل نہیں ہو سکتے اس کا سرچشمہ کہیں اور ہے۔ اس کا سرچشمہ کیا ہے؟۔ اس کے متعلق فکر انسانی کچھ نہیں کہہ سکا۔ آج فکر انسانی اس مقام پر محوِ حیرت کھڑا ہے۔ اور آگے بڑھنے کی کوئی راہ نہیں پاتا۔

اخلاقیات:۔ پھر آپ نے دیکھا کہ فکر انسانی کے سامنے یہ اہم مسئلہ آیا کہ انسان پر اس قدر مصیبتیں کیوں آتی ہیں؟۔ یہ کیوں ایک مجبور و مقہور قیدی کی طرح زندگی کے کولہو میں جتا رہتا ہے؟۔ بالآخر اس کا قصور کیا ہے؟۔ کائنات میں شر کی قوتیں اس طرح بدلگام کیوں پھر رہی ہیں؟۔ ان کا علاج کیا ہے؟۔ یہاں ہر طرف خیر ہی خیر کیوں نہیں؟۔ اُس نے ان سوالات کے مختلف حل سوچے۔ کبھی اس حل کو درست سمجھا، لیکن چار ہی قدم پر جا کر معلوم ہوا کہ وہ حل بجائے خویش ایک معمہ ہے۔ اُس نے اُسے چھوڑ کر دوسرا حل تلاش کیا، لیکن چند قدم پر جا کر اس سے بھی بددل ہو گیا۔ وہ چلتا چلاتا اس مقام تک پہنچا کہ ''خیر'' اسے کہتے ہیں جو مستقل اقدار سے ہم آہنگ ہو اور ''شر'' وہ جو اُن سے موافقت نہ رکھے۔ لیکن یہاں پہنچ کر، اس کے سامنے یہ سوال اُبھر کر آ گیا کہ مستقل اقدار کیا ہیں؟۔ اُن کا سرچشمہ کیا ہے؟۔ اُسے ان سوالات کا کوئی اطمینان بخش جواب ابھی تک نہیں ملا۔ اس لئے وہ اس مقام پر ہمہ تن استعجاب بن کر کھڑا ہے۔

سیاسیات:۔ پھر فکر انسانی کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ جب انسانوں نے مل جل کر رہنا ہے تو ایسی کون سی شکل پیدا کی جائے جس سے انسانوں کے مفادات ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں۔ وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں۔ یہ سوال بڑا ٹیڑھا تھا۔ اس لئے اسے اس کے جواب کے لئے بڑی کد و کاوش کرنی پڑی۔ کبھی یہ راستہ اختیار کیا، کبھی وہ۔ لیکن جو راستہ بھی اختیار کیا، اسے اس میں راہزن ضرور ملے۔ چلتے چلاتے، اب وہ اس مقام تک پہنچا ہے کہ ساری دنیا کے انسانوں کے لئے ایک قانون ہونا چاہیئے۔ اور ایک ہی نظم و نسق (حکومت)۔ وہ اپنے اس حل سے ہنوز اطمینان کی ہنسی بھی ہنسنے نہ پایا تھا کہ اس کے سامنے یہ سوال ہوا بن کر کھڑا ہو گیا کہ وہ عالمگیر قانون کون سا ہونا چاہیئے جو تمام نوع انسان کے متضاد تقاضوں کو پورا کر سکے۔ ایسا قانون ملے گا کہاں سے اور اس کا کیا ثبوت ہو گا کہ وہ فی الواقعہ ایسا قانون ہے؟۔ اس سوال نے فکر انسانی کو ایسا مبہوت کیا ہے کہ وہ اس مقام پر ٹھٹک کر رہ گیا ہے۔

معاشیات:۔ اس سے ملتا جلتا یہ سوال بھی فکر انسانی کے سامنے آیا کہ دنیا میں انسانی زندگی کی ضروریات کی چیزیں (غذا وغیرہ) محدود ہیں اور انسان کی ہوس لامحدود۔ اس لئے اس کا انتظام کس طرح کیا جائے کہ ہر شخص کی ضروریاتِ زندگی بھی پوری ہوتی رہیں اور معاشرے کا کاروبار بھی نہ رُکے۔ سوال تو یہ آسان سا تھا لیکن اس کے تسلی بخش حل کے لئے فکر انسانی نے اس قدر چکر کھائے ہیں کہ اس کا بیشتر وقت اور توانائی اس کی نذر ہو گئے، اور اس کے باوجود، اسے نہ حل ہونا تھا، نہ ہوا۔ یہ آج بھی ایک دوراہے پر کھڑا ہے جہاں ایک

طرف یہ کہا جاتا ہے کہ ایک فرد اپنی محنت اور صلاحیت سے جس قدر کما سکے، اُسے اُس سے محروم کرنا عدل کے خلاف ہے۔ اور دوسری طرف سے یہ آواز آتی ہے کہ نہیں، ہر فرد سے کام پورا پورا لینا چاہیئے لیکن دینا اُسے صرف اس کی ضروریات کے مطابق چاہیئے۔ انسانی فکر اس دوراہے پر متحیر کھڑا ہے اور

ہر اک سے پوچھتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں

اندرونی تضادات:۔ ان تمام راستوں میں فکر انسانی کے سامنے گوناگوں رکاوٹیں آتی رہیں۔ وہ ان رکاوٹوں سے پریشان تو ضرور ہوا، لیکن اپنی چوکڑی نہیں بھولا۔ وہ چوکڑی بھولا ایک ایسے راستے میں، جہاں باہر سے تو کوئی خطرہ اور رکاوٹ دکھائی نہیں دیتی تھی، لیکن اندر کی دنیا میں کوئی ایسا چھلاوا تھا جو دکھائی تو دیتا نہیں تھا مگر قدم قدم پر اس کا دامن پکڑ کر بیٹھ جاتا تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ یہ اُس کا حریف تازہ کون ہے جو سامنے آتا نہیں، لیکن اس سے اس طرح وبال جان ہو کر لپٹا ہے کہ وہ کہیں جائے، اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔ یہ میدان تھا انسانی فکر اور اس کے داخلی جذبات کی کشمکش کا۔ اس میدان میں فکر انسانی بُری طرح جھنجھلا اُٹھا۔ اس نے اس کشمکش سے پیچھا چھڑانے کے لئے کئی طریقے اختیار کئے لیکن کوئی کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ وہ راستہ کی سختی، مسافت کی درازی، کشمکش کی شدت اور اس جدید آویزش کی مشقت سے اس قدر گھبرایا کہ اس نے اپنا سفر چھوڑ کر کسی اور طرف چل دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک طرف یخ بستہ پہاڑ کے دامن میں ایک سہانا باغ ہے۔ ٹھنڈی چھائیں، سرد ہوائیں، پُرسکون اور خاموش ندی، ہر طرف سکوت، بالکل سناٹا، کہیں سے پتہ کھڑکنے تک کی بھی آواز نہیں آتی۔ وہ کھنچا کھنچا اس طرف چلا گیا اور جاتے ہی ایسا سویا کہ اسے نہ اپنی منزل کی یاد باقی رہی، نہ راستہ کا خیال۔ یہ سہانا، پُرکیف، ہوش رُبا، سکوت افزا، باغ ہے اُس کی باطنیت (Mysticism) کا خواب، جسے دور حاضرہ کے تھکے ہوئے مغربی مفکرین نے مذہب یا خدا کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ فکر انسانی نے سمجھ لیا ہے کہ بس!۔ یہ ہے انسانی زندگی کی کشمکش کا مقصود اور ان تمام سوالات کا ایک مسکت جواب جن سے وہ اس طرح پریشان ہو رہا تھا۔ یہ ہے وہ مقام جہاں فکر انسانی اس وقت پہنچ رہا ہے۔

باطنیت یا مذہب:۔ لیکن انسانی فکر کی زندگی میں یہ پہلا واقعہ نہیں کہ وہ اس قسم کے سکوت افزا باغِ حشیش کو زندگی کا منتہیٰ سمجھ بیٹھا ہے۔ اس سے پیشتر بھی بارہا ایسا ہوا ہے کہ وہ جب بھی زندگی کے سخت تقاضوں اور ان کی صبر آزما کشمکش سے گھبرایا، تو اس نے فرار کی راہ اختیار کی۔ باطنیت (یعنی خدا اور مذہب کا انفرادی تصور) اس راہ فرار کا آخری گوشہ ہے۔ لیکن خود فکر انسانی کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ یہ گوشہء عافیت بھی انسانی فکر کے لئے کبھی زیادہ عرصہ تک وجہء سکون نہیں بن سکا۔ کچھ عرصہ کے بعد، جب اس کی تکان اُتری ہے تو، اُس نے پھر سے صحیح اطمینان اور حقیقی سکون کی تلاش شروع کر دی ہے۔ اس لئے مغربی فکر، اس وقت کشاکش حیات سے گھبرا کر، مذہب

کے جن فریب انگیز گوشوں میں سامان راحت تلاش کر رہا ہے، وہ اس کے لئے زیادہ وقت تک وجہ سکون نہیں بن سکتے۔ وہ کچھ دیر بعد پھر اس مثالی دنیا کی تلاش میں نکلے گا جس میں ان سوالات کا صحیح معنوں میں اطمینان بخش جواب مل جائے، جنہوں نے اسے ساری عمر اس طرح مضطرب و بیقرار رکھا ہے۔

یہ ہیں انسانی زندگی کے مختلف سوالات (problems) جن کے حل کی تلاش میں فکر انسانی نے اتنی مسافت طے کی ہے۔ اور یہ ہیں وہ مقامات، جہاں پہنچ کر وہ اس وقت انگشت بدنداں کھڑا ہے۔ وہ اس کے بعد پھر آگے بڑھے گا اور پھر اپنا سفر شروع کر دے گا۔ یہ چیز فکر انسانی کی تحقیر نہیں کہ وہ تلاش حقیقت میں اس طرح مارا مارا کیوں پھر رہا ہے؟ فکر انسانی کی یہ تمام کوششیں درخور ہزار ستائش ہیں۔ اگر آپ نے یہ دیکھنا ہو کہ وہ شاہراہ زندگی پر کس قدر طولانی مسافت طے کر چکا ہے، تو اس کے لئے آپ افریقہ کے حبشی یا امریکہ اور آسٹریلیا کے اصلی باشندوں کو دیکھئے اور اس کے بعد عصر حاضر کے کسی بلند پایہ مفکر اور صاحب ایجادات (سائنٹسٹ) کو۔ ان دونوں کا ذہنی فرق آپ کو صاف بتا دے گا کہ انسانی فکر کتنی لمبی راہیں چل کر یہاں تک پہنچا ہے اور اس کی یہ مسلسل تگ و تاز نوع انسانی کے لئے کس قدر موجب فخر و ناز ہے۔

انسانی فکر کی بنیادی کمی: ۔لیکن انسانی فکر کی بنیادی کمی یہ ہے کہ اس کا طریق کار تجرباتی ہے۔ وہ اپنے لئے ایک راستہ تجویز کرتا ہے۔ اُسے اس وقت کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ راستہ اسے منزل مقصود کی طرف لے جائے گا یا ہلاکت کے غاروں میں دھکیل دے گا۔ اس راستہ کے آخری نقطہ تک پہنچنے سے پہلے اس حقیقت کا معلوم کر لینا اس کے بس کی بات ہی نہیں۔ لہٰذا وہ ہر اس راستے پر، جو اس کے سامنے آتا ہے، چل نکلتا ہے۔ اسے راستے میں راہزنوں اور قزاقوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ جنگل کے درندوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کہیں وحشی انسانوں سے مقابلہ ہوتا ہے۔ ان تصادمات میں خون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں۔ انسانیت کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ لیکن انسانی فکر آگے ہی آگے بڑھتا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ راستہ اسے صحیح مقام تک لے جاتا ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اتنے سفر کے بعد اُسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ تو کسی اور طرف جا رہا ہے۔ یہ ہیں وہ مقامات جہاں انسانی فکر اکثر تھک کر بیٹھ جاتا ہے (جس طرح اب مغرب کا فکر اس قسم کی پناہیں ڈھونڈ رہا ہے)۔'' (انسان نے کیا سوچا؟۔ صفحہ نمبر: 37-432۔ نیا ایڈیشن۔ نومبر 1959ء)

یہاں پرویز صاحب انسان کے فکری انتشار کا ذکر کرتے ہیں کہ اگر انسان اپنے تمام مسائل زندگی کے حل تلاش کرنے میں ناکام ہو چکا ہے اور اس کی عقل ہزاروں سال کی جدوجہد کے بعد بھی اسے اطمینان عطا نہیں کر سکی اور آج بھی انسان ایک ایسے مقام پر کھڑا ہے جہاں زندگی کی گتھیاں سلجھنے کی بجائے اور زیادہ الجھ گئی ہیں تو اب اسے کیا کرنا چاہیئے؟ چکرایا ہوا انسان اب کہاں جائے؟ اس کی راہنمائی کون کرے؟

اصل سوال:۔ پرویز صاحب اپنی کتاب ''انسان نے کیا سوچا؟'' میں رقمطراز ہیں۔ ''سوال یہ ہے کہ کیا انسانی فکر کو اس تجرباتی طریق پر چھوڑ دیا جائے یا اس کے علاوہ کوئی اور طریق کار بھی ہے جس سے انسانیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے؟ (یعنی اسے ان مسائل کا قرار واقعی حل مل سکتا ہے جو اس کی زندگی کے تقاضے ہیں)۔ اگر انسان کے پاس کوئی اور طریق کار ایسا نہیں جو اسے پورے یقین اور عافیت سے منزل مقصود تک پہنچا سکے تو، پھر اس کے سوا چارہ ہی نہیں کہ، انسانی فکر کو اس کے اپنے اختیار کردہ تجرباتی طریق پر چھوڑ دیا جائے اور اس سے جس قدر تباہیوں اور بربادیوں کا سامنا کرنا پڑے اُنہیں صبر وسکون سے برداشت کیا جائے۔ مجبوری کا دنیا میں علاج کیا ہے؟ لیکن اگر کوئی طریق کار ایسا ہے جس سے انسانیت، ان تباہیوں سے بچ کر، منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے، تو کون سا پاگل انسان ایسا ہے جو اس راستے کو ترجیح نہیں دے گا۔''

یہ طریق کار کیا ہے؟ کہاں ہے؟ کیا انسان کی پریشانیوں، درماندگیوں، سوختہ سامانیوں اور زخموں کا کوئی علاج ہے؟ کیا کوئی قوت انسان کو مصائب سے نجات دلا سکتی ہے؟۔ کیا کوئی روشنی انسانی عقل کو تاریکیوں میں راستہ دکھا سکتی ہے؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کا ذہن ٹھوکریں کھاتے کھاتے بالآخر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ انسانی عقل اپنی تمام تر صلاحیتوں اور قوتوں کے باوجود ہزاروں سالوں تک صورت انتشار سرگرداں رہنے کے بعد بھی زندگی کے مسائل کا اطمینان بخش حل دریافت نہیں کر سکی۔ لہٰذا اب انسان اس روشنی کی ضرورت محسوس کرتا ہے جو انسان کی دنیا کو روشن کر دے۔ انسانی قلب وذہن کے اندھیرے دور ہو جائیں۔ دنیائے دانش منور ہو جائے اور انسانی عقل کو کامرانیوں کے راستے نظر آ جائیں۔ تاکہ صدیوں کی مسافت طے کرنے کے بعد اسے حقیقی منزل مل سکے۔ یہ ہے آج (بلکہ ہمیشہ سے) انسان کی ضرورت! پرویز صاحب اپنی مذکورہ بالا کتاب میں لکھتے ہیں کہ ''انسانی فکر تو اپنے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ جانتا ہی نہیں اس لئے وہ کسی دوسرے راستے کا پتہ نشان نہیں بتا سکتا۔'' (صفحہ نمبر ۴۳۷) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر وہ خود کسی دوسرے راستے کا پتہ نہیں بتا سکتا تو سرے سے ایسا کوئی راستہ موجود ہی نہیں۔ کسی ایسی روشنی کا وجود ہی نہیں جس کی ضرورت اور تلاش اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسان کو ہے؟ وہ مزید لکھتے ہیں۔ ''البتہ ایک گوشہ ایسا بھی ہے جہاں سے یہ آواز آتی ہے کہ میرے پاس فکر انسانی کی راہنمائی کا سامان موجود ہے۔ میری راہنمائی اُسے بتا سکتی ہے کہ جو راستہ اُس کے سامنے ہے وہ اسے صحیح وسالم منزل مقصود تک لے جائے گا یا تباہی وبربادی کے عمیق غاروں میں دھکیل دے گا۔

وحی کا دعویٰ:۔ اگر اس گوشے سے آنے والی آواز کا دعویٰ صحیح ہے، تو پھر خود عقل سلیم کا یہ تقاضا ہونا چاہیئے کہ، وہ اس راستے کو اختیار کر لے، اور مفت کی بربادیوں سے بچ جائے۔'' (صفحہ نمبر 437)۔ یہ دعویٰ ہے انسان کی طرف نازل ہونے والی آخری وحی یعنی **قرآن** کا۔ کہ نورِ وحی انسانی مسائل کے حقیقی حل کی طرف جانے والے راستوں کو منور کر کے دکھا سکتا ہے۔ کہ اے ناکام انسان! یہ ہے تیری

کامیابیوں کی راہ ! اور وہ رہی تیری منزل ! ۔ یہ وہ ماورائے عقل ذریعہ علم ہے جس کی تلاش اور ضرورت انسان کو ہمیشہ سے رہی ہے۔اس سے آگے پرویز صاحب لکھتے ہیں۔ ''لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ یہ کیسے معلوم ہو سکے کہ قرآن کی راہنمائی فکر انسانی کو فی الواقعہ عافیت کی راہوں سے صحیح وسالم منزل مقصود تک لے جائے گی اور ان مسائل کا حقیقی حل بتا دے گی جو اس کے لئے اس درجہ وجہء پریشانی بن رہے ہیں؟

یہ سوال بڑا اہم ہے لیکن اس کا جواب بڑا صاف ہے۔ ہمارے سامنے فکر انسانی کی تاریخ موجود ہے۔ ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ کون کون سی راہیں تھیں جن میں انسان کو تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر ہم یہ دیکھیں کہ قرآن نے پہلے ہی ان راہوں کے متعلق کہہ دیا تھا کہ یہ بربادیوں کی راہیں ہیں تو یہ شہادت اس امر کی دلیل ہوسکتی ہے کہ آئندہ کے متعلق قرآن جو کچھ کہے اس کی صحت وصداقت پر یقین کرلیا جائے۔ فکر انسانی کے لئے مستقبل کے متعلق اس کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔'' (صفحہ نمبر 438)۔ چونکہ آج بھی انسان مسائل زندگی میں الجھا ہوا ہے اور مدتوں تک سخت جدوجہد کے بعد بھی اسے کوئی سیدھا راستہ نظر نہیں آرہا تو اسے ایک بار وحی کے دعوے کو بھی آزما کر دیکھ لینا چاہیئے۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی انسان ''عقلِ کل'' نہیں ہوسکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے پاس بربنائے عقل و تدبر انسانیت کے گوناگوں مسائل کا مکمل طور پر تسلی بخش حل موجود ہے۔ اور نہ آج تک کوئی ایسا کرسکا ہے۔ نہ ہی انسان کی سوچ کا نتیجہ سو فیصد درست ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہی ایسا ہے کہ کسی انسان کی سوچ میں کوئی خامی نہیں ہوسکتی۔ انسانی عقل بہر حال محدود اور مجبور ہے اور طویل تجربات یا خود سے ماوراء کسی ذریعہء علم کی محتاج ہے۔ انسانی عقل نہ تو کما حقہٗ مسائل کا ادراک کرسکتی ہے اور نہ ہی ان کا تسلی بخش حل تلاش کرسکتی ہے۔ اس صورتِ حال میں اگر عقل سے ماوراء ایک ذریعہء علم (وحی) اپنی مکمل اور محفوظ شکل میں موجود ہے اور انسانیت کے مسائل کا تسلی بخش حل پیش کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے آزما لینے میں کیا ہرج ہے!۔

وحی کیا ہے؟:۔ وحی کے لغوی معنی ''تیز اشارہ'' ہیں۔ وحی ایک عجیب ذریعہء علم ہے جس کی ماھیت کے بارے میں انسانی علم کچھ بتانے یا معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ صرف اسکی صداقت اور ہر لحاظ سے جامعیت و اکملیت ہی اس چیز کا ثبوت ہے کہ یہ علم انسانی ذہن کی پیداوار نہیں ہے بلکہ یہ کسی ماوراء، اکمل و پاکیزہ ترین ہستی کی طرف سے ہے۔ وحی کو عمل و امتحان کی کسوٹی پر پرکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ہے تو سراسر صداقت مگر اس چیز کا علم حاصل کرنا کہ یہ خود کیا ہے اور کس طرح ایک نبی اور رسول تک پہنچتی ہے؟ انسانی عقل کے بس کا روگ نہیں ہے۔ کوئی غیر نبی انسان اس کے بارے میں جان ہی نہیں سکتا۔ پرویز صاحب ''مطالب الفرقان'' جلد دوم۔ سورہء بقرۃ کی آیت نمبر (2:37) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ ''وحی وہ راہنمائی ہے جس میں کسی انسان کی ذاتی فکر اور اکتسابی علم کا کوئی دخل

نہیں ہوتا۔اس کے لئے خدا کسی برگزیدہ شخصیت کو منتخب کر لیتا تھا۔اسے یہ راہنمائی خدا کی طرف سے براہِ راست ملتی تھی،اور وہ اسے، کسی قسم کی آمیزش کے بغیر، دوسرے انسانوں تک پہنچا دیتا تھا۔''

پرویز صاحب اپنی شہرہ آفاق کتاب ''لغات القرآن'' میں وحی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''یہ وحی ہر فرد کو الگ الگ نہیں ملتی۔ اس کے لئے خدا کی طرف سے قاعدہ یہ مقرر ہوا تھا کہ یہ وحی کسی ایک انسان کو دی جائے اور وہ اس وحی کو دوسرے انسانوں تک پہنچائے۔اُس انسان کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔یہ وحی انہیں حضرات سے مخصوص ہے۔'' آگے چل کر مزید وضاحت کرتے ہیں کہ ''خدا کا قانون جو حضرات انبیاء کرام کی وساطت سے انسانوں کو ملتا ہے الوحی کہلاتا ہے۔اس کے خدا سے پانے میں نبی کے سوا کوئی دوسرا انسان شریک نہیں ہوتا۔یعنی انبیاء کے سوا کسی اور کو وحی نہیں مل سکتی،اور اس وحی کو انبیاء کرام اپنے کسب و ہنر سے حاصل نہیں کرتے بلکہ یہ اُنہیں خارج سے اسی طرح ملتی ہے جس طرح اشیائے کائنات کو از خود خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے۔اسی کو کہتے ہیں کہ وحی منزل من اللہ ہوتی ہے۔خدا کی طرف سے نازل شدہ۔یعنی یہ شخص اپنی کوشش سے وحی کے مقام تک نہیں پہنچتا بلکہ وحی خود اُتر کر اُس تک پہنچتی ہے۔ بالفاظ دیگر،اس میں انسان کی داخلیت (subjectivity) کو دخل نہیں ہوتا۔اس میں یکسر خارجیت (objectivity) ہوتی ہے۔ منزل من اللہ کہنے میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔انسان اپنی کوشش سے طبعی دنیا کے پوشیدہ حقائق کو منکشف (Discover) کر سکتا ہے لیکن جو حقائق اسے وحی کے ذریعے ملتے ہیں وہ صاحب وحی پر (Revealed) ہوتے ہیں یعنی وحی کے ذریعے حقیقت خود اپنے آپ کو صاحب وحی پر منکشف کرتی ہے۔یہ اپنا ہاتھ بڑھا کر عروس حقیقت کے چہرے سے پردہ نہیں اُٹھا سکتا۔اسی کو نزول وحی کہتے ہیں''

مختلف ذرائع علم:۔ وحی، کسی قسم کی کوشش، محنت و مشقت، کسب و ہنر، تفکر و تدبر، ریاضت، وجدان یا مراقبہ وغیرہ کا نتیجہ نہیں ہوتی تھی۔بلکہ وہ قلبِ نبی پر اچانک نازل ہوتی تھی جس کے نزول کی کیفیت کو غیر نبی نہ سمجھ سکتا ہے نہ محسوس کر سکتا ہے۔یہ ذریعہ علم انسانی عقل و علم سے ماوراء ہے جبکہ حصولِ علم کے دیگر ذرائع میں انسانی کوشش اور تفکر و تدبر کا عمل دخل ہوتا ہے۔طلوعِ اسلام مئی 1970ء (صفحہ نمبر 65) میں پرویز صاحب نے ''**ختمِ نبوت**'' کے عنوان کے تحت علم کے مختلف ذرائع (حواسِ انسانی، کشف والہام اور وجدان پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے جس سے وحی کے بارے میں بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔کسی نے اُن سے پوچھا تھا کہ آپ (پرویز صاحب) کہتے ہیں کہ کشف، الہام، ماموریت من اللہ، مجددیت وغیرہ کا عقیدہ ختمِ نبوت کے منافی ہے، اس کی وضاحت فرمائیں۔اُن کا جواب ملاحظہ ہو:۔''انسان اور حیوان میں ایک بنیادی مابہ الامتیاز خصوصیت ''علم'' ہے۔علم، کسے کہتے ہیں اور اس کے حصول کا کیا طریقہ ہے، اسے قرآن کریم نے ایک آیت میں واضح کر دیا ہے۔جس میں کہا ہے کہ: **وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ**

السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (17:36) ۔ ''جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو۔ (یاد رکھو! تمہاری) سماعت، بصارت اور قلب، ہر ایک سے پوچھا جائے گا۔'' اس میں بتایا گیا ہے کہ ''علم'' وہ ہے جس کی شہادت انسان کی ''سماعت، بصارت، اور قلب'' دیں۔ سماعت و بصارت سے مراد انسان کے حواس (senses) ہیں۔ اور قلب یا فواد سے مراد ہے، وہ قوتِ فکر (Intellect) جو نتائج مستنبط کرتی ہے۔ اسے عام طور پر (Mind) کہا جاتا ہے۔ انسانی علم کے یہی ذرائع ہیں۔ آپ دور سے دھواں اٹھتا دیکھتے ہیں تو آپ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ کہیں آگ لگی ہے۔ آپ گولی کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ کہیں بندوق چلی ہے۔ اس کے بعد چیخ کی آواز آپ کے کان میں آتی ہے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ گولی کسی انسان کے لگی ہے۔ اور اگر وہ آواز آپ کی جانی پہچانی ہوتی ہے تو آپ گھبرا کر کہہ دیتے ہیں کہ گولی فلاں شخص کے لگی ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ انسان کے حواس، سماعت (سننا)، بصارت (دیکھنا)، ذائقہ (چکھنا)، شامہ (سونگھنا) اور لمس (چھونا) خارجی دنیا سے متعلق اطلاعات (Information) انسانی قلب (Mind) تک پہنچاتے ہیں اور ان اطلاعات کی بناء پر، قلب ایک نتیجہ پر پہنچتا ہے، اسے ''علم'' کہا جاتا ہے۔ یہی علم بذریعہ مدرکات (Perceptual knowledge) ہے جس کے نتائج کی خاص ترتیب سے انسان، تصورات (concepts) قائم کرتا ہے۔ اور یوں علم کی وسعتیں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ مطالعہ، مشاہدہ، تجربہ، تفکر، تعقل، تدبر، یہ سب حصولِ علم کے ذرائع ہیں۔ قرآن کریم علم (بذریعہ حواس) کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ وہ کہیں کہتا ہے کہ: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (23:78; 68:23) ۔ خدا وہ ہے جس نے تمہارے لئے سماعت، بصارت اور قلب پیدا کئے، لیکن بہت کم لوگ ہیں جو ان سے صحیح صحیح کام لیتے ہیں۔ کہیں کہتا ہے کہ: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ (6:46) ۔ ان سے کہو کہ کیا تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ اگر خدا تمہارے دیکھنے، سننے، سمجھنے کی قوت سلب کر لے، تو اس کے سوا کون سی ہستی ہے جو ان ذرائع علم کو بحال کر دے؟ سورہء الاعراف میں ہے کہ۔ آؤ تمہیں بتائیں کہ جہنمی کون ہیں۔ وہ جن کی کیفیت یہ ہے کہ: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۔ وہ دل تو رکھتے ہیں لیکن ان سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے۔ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۔ ان کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں لیکن وہ ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۔ ان کے کان بھی ہوتے ہیں لیکن ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ ۔ یہ لوگ دیکھنے میں انسان نظر آئیں گے لیکن درحقیقت یہ انسان نہیں حیوان ہیں۔ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (7:179) ۔ یہ علم سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ ''جو لوگ اپنے ذرائع علم سے کام نہیں لیتے۔ قرآن کہتا ہے کہ رفتہ رفتہ ان کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ ان کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پٹیاں بندھ جاتی ہیں۔ ان کے کانوں میں ڈاٹ لگ جاتے ہیں۔'' (2:7; 16:208)۔ اور یہ کیفیت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو عقل و فکر سے کام لینے کی بجائے اندھا دھند جذبات کی رو میں بہے چلے جاتے ہیں (45:23)۔ قرآن کے

پیش کردہ ان حقائق سے واضح ہے کہ (1)۔انسان اور حیوان میں ایک بنیادی وجہء امتیاز ''علم'' ہے۔اور (2)۔علم حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ انسان، حواس کے ذریعے معلومات اخذ کرکے، ان سے، اپنی عقل وفکر کی رو سے نتائج مستنبط کرے۔نوعِ انسان کے لئے علم حاصل کرنے کا یہ کُلیّہ ہے۔

نبوّت:۔لیکن اس کلیہ میں ایک استثناء (Exception) کی گئی تھی اور وہ تھی ''نبوت''۔نبی کو جو علم بذریعہ وحی حاصل ہوتا تھا وہ، حواس کے ذریعے حاصل کردہ معلومات اور عقل وفکر کی رو سے مستنبط کردہ نتائج پر مبنی نہیں ہوتا تھا۔اسے وہ علم، ایک خارجی حقیقت (Objective Reality) کے طور پر، خدا کی طرف سے، براہِ راست ملتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس علم کو خدا نے ''تنزیل من رب العالمین'' کہا ہے یعنی خدا کی طرف سے نازل کردہ علم۔عام علم، انسان کے سرچشمہء فکر سے ابھر کر باہر آتا ہے، لیکن وحی، قلبِ نبوی پر خارج سے نازل ہوتی تھی۔اس میں، اس کی اپنی فکر وجذبات کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔۔**وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** (53:3-4)۔نبی اپنے فکر وجذبات کی رو سے باتیں نہیں کرتا۔اس کا علم وحی پر مبنی ہوتا ہے۔**عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى** (53:5)۔اسے وہ علم خدائے مقتدر کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔یہ ذریعہء علم (جو عام علمِ انسانی سے یکسر منفرد تھا) حضرات انبیائے کرام کے لئے مخصوص تھا۔اس کی کنہ وحقیقت کیا تھی؟۔یہ نبی کو کس طرح ملتا تھا، اسے غیر از نبی (یعنی نبی کے علاوہ کوئی شخص) جان اور سمجھ نہیں سکتا۔جو کچھ نبی کو وحی کے ذریعے ملتا تھا وہ اسے انسانوں تک پہنچا دیتا تھا۔اور انسان اسے غور وفکر سے سمجھ سکتے تھے لیکن وہ علم اسے ملتا کس طرح تھا، اسے کوئی دوسرا شخص نہیں سمجھ سکتا تھا۔اس لئے کہ انسانوں کے پاس سمجھنے کے ذرائع، حواس اور قوتِ فکر ہیں اور وحی کا سرچشمہ ان سے ماوراء تھا۔اس لئے غیر از نبی اس حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا تھا، نہ پہنچ سکتا ہے کہ نبی کو یہ علم ملتا کس طرح تھا؟۔

ختمِ نبوّت:۔ختمِ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ (نبی اکرم ﷺ کے بعد) اس ذریعہء علم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔جو علم، خدا کی طرف سے براہِ راست دیا جانا مقصود تھا، وہ قرآن کریم کے اندر مکمل اور محفوظ کر دیا گیا اور اس کے بعد کہہ دیا کہ اب کسی انسان کو خدا کی طرف سے، براہِ راست کوئی علم نہیں دیا جائے گا۔اب انسانی علم کا وہی عام طریق ہے۔یعنی حواس کے ذریعے حاصل کردہ معلومات اور غور وفکر کے ذریعے اخذ کردہ نتائج۔خود قرآن کریم بھی غور وفکر کی رو سے سمجھا جائے گا۔ختمِ نبوت کا اعلان، درحقیقت انسانی آزادی کا عظیم منشور تھا۔اس کے معنی یہ تھے کہ اب کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ کسی دوسرے انسان سے یہ کہہ کر اپنی بات منوائے کہ یہ میری بات نہیں، خدا کا حکم ہے جس کا علم اس نے مجھے براہِ راست دیا ہے۔خدا نے جو احکام دینے تھے، وہ قرآن کے اندر دے دیئے۔قرآن کے علاوہ، اب کسی کی کوئی بات سند وحجت نہیں سمجھی جائے گی۔

کشف والہام:۔اب آپ دیکھئے کہ کشف والہام یا خدا سے ہم کلامی سے مراد کیا ہے؟۔اس سے مراد ہے خدا سے براہِ راست علم

پانا۔یعنی وہ علم جو انسانی حواس اور فکر وتدبر پر مبنی نہ ہو بلکہ، ان ذرائع کے بغیر، خدا سے براہِ راست حاصل ہو۔آپ سوچئے کہ اس ''علم'' اور ''وحی'' کے ذریعہ حاصل کردہ علم میں (اصل وحقیقت کے اعتبار سے) فرق کیا ہے؟۔فرق صرف الفاظ میں ہے۔اصل وحقیقت دونوں کی ایک ہے۔قرآن نے اس علم کے لئے وحی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔یہ حضرات اسے الہام یا کشف کہہ کر پکارتے ہیں۔اور یہ ظاہر ہے کہ الفاظ کے فرق سے اصل وحقیقت میں تو فرق نہیں آسکتا۔اصل بات ذریعہء علم کی ہے۔اگر علم کا ذریعہ انسانی حواس اور فکر وتدبر ہے، تو یہ علم نبوت سے الگ چیز ہے۔اور اگر علم ان ذرائع کی رو سے حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے متعلق دعویٰ یہ ہے کہ وہ براہِ راست خدا کی طرف سے ملتا ہے، تو یہ دعویٰ، صاحبِ وحی ہونے کا نہیں تو اور کیا ہے؟۔اور اس طرح خدا سے علم پانے کا دعویٰ کرنے والا، اپنا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لے، اس کے دعویٰ، اور دعوائے نبوت میں فرق کیا ہے؟۔پھر سمجھ لیجئے کہ دعوائے نبوت سے مراد یہ تھی کہ ایسا دعویٰ کرنے والا کہتا یہ تھا کہ میرا علم، حواس وتفکر کا نتیجہ نہیں۔یہ مجھے خدا کی طرف سے براہِ راست ملا ہے۔لہٰذا، جو شخص بھی اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے، وہ درحقیقت نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔اور ختمِ نبوت کی مہر کو توڑتا ہے۔وہ جب کہتا ہے کہ میں مامور من اللہ ہوں تو وہ کہتا یہ ہے کہ یہ کچھ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ مجھے خدا کی طرف سے حکم ملا ہے کہ میں ایسا کہوں!۔نبی بھی تو یہی کہتا تھا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں، اپنی طرف سے نہیں کہتا، خدا نے مجھے ایسا کہنے کا حکم دیا ہے۔(جو شخص قرآن کا مبلّغ ہے، اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ میں خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل کر کے اسے دوسروں تک پہنچاتا ہوں۔وہ کہتا یہ ہے کہ خدا نے جو علم اپنی کتاب میں محفوظ کر دیا ہے، میں اسے، اپنی فہم وبصیرت کے مطابق سمجھتا اور اس طرح اسے دوسروں تک پہنچاتا ہوں۔لہٰذا، ختمِ نبوت کے بعد، قرآن کی تبلیغ و تعمیل باقی رہتی ہے، خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل کرنے کا امکان باقی نہیں رہتا)۔اس کا دعویٰ (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) نبوت کا دعویٰ ہے خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔قرآن کریم میں (ختمِ نبوت کے بعد) نہ اس قسم کے علم کا تصور ملتا ہے نہ کشف و الہام وغیرہ الفاظ۔یہ تصور اور اس قسم کی اصطلاحات بعد کی وضع کردہ، یا دوسروں سے مستعار لی ہوئی ہیں۔تصور اور اصطلاحات، تصوف کی رائج کردہ ہیں اور تصوف (علامہ اقبال کے الفاظ میں) ''سرزمینِ اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے۔'' اس کے بعد پرویز صاحب نظامِ تصوف کے سرخیل، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب ''فصوص الحکم'' میں درج کشف والہام کے حوالے دیتے ہیں جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اُن کے کشف والہام اور وحیء نبوت میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔مثلاً ''اگرچہ اولیاء انبیاء کے تابع ہوتے ہیں لیکن صاحبِ وحی دونوں ہوتے ہیں۔'' اور۔''ہم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس چیز (حکم) کو اپنے کشف والہام کے ذریعے خود اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں۔لہٰذا، وہ خود اس حکمِ شرعی میں خلیفۃ اللہ ہیں۔پس ایک طور پر مادہء کشف والہام اور مادہء وحیء رسول ایک ہے۔۔۔صاحبِ کشف اللہ تعالیٰ سے لینے کے طریقے سے واقف ہونے کی وجہ سے خاتم النبیین کے موافق ہے۔۔۔لہٰذا، ان کا اللہ تعالیٰ سے لینا عین رسول اللہ ﷺ کا لینا ہے۔'' کاذب مدعیء نبوت مرزا غلام احمد (قادیانی) بھی اسی قسم کے کشف والہام کا سہارا

لے کر نبی بن بیٹھا تھا۔ پرویز صاحب نے اپنی اسی تحریر میں مرزا غلام احمد (قادیانی) کے نظریہء کشف والہام پر سخت تنقید کر کے اسے جھٹلایا ہے۔

علمائے قرآن:۔ ''پرویز صاحب یا دیگر علمائے قرآن، قرآن کریم پر غور وفکر کرتے ہیں اور اس طرح قرآن کے جو حقائق ان کی سمجھ میں آتے ہیں یہ کہہ کر دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ یہ ہماری اپنی فہم کا نتیجہ ہے جس میں سہو وخطا کی گنجائش بھی ہے اور ان پر تنقید کا حق بھی ہر ایک کو حاصل ہے۔ لیکن جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن کے جو حقائق میں پیش کرتا ہوں وہ میری فکر وبصیرت کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ خود خدا کے بتائے ہوئے حقائق ہیں، وہ انہیں سہو وخطا سے بھی منزہ قرار دیتا ہے اور ان پر تنقید کا حق بھی کسی کو نہیں دیتا۔ اس لئے کہ جو شخص اس کے پیش کردہ حقائق پر تنقید کرتا ہے وہ اس مدعی پر تنقید نہیں کرتا بلکہ (اس کے دعویٰ کے مطابق) خود خدا پر تنقید کرتا ہے۔ اور یہ مقام، نبی کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا کہ اس کے پیش کردہ حقائق پر تنقید کو، خود خدا پر تنقید قرار دیا جائے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (6:33)۔ ''اے رسول! یہ لوگ جو تیری پیش کردہ تعلیم کو سچا نہیں سمجھتے، یہ تجھے جھوٹا نہیں کہتے، یہ خود خدا کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔'' اگر آپ کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ جن حقائق کو پیش کرتا ہے، وہ خود خدا کے عطا فرمودہ ہیں تو آپ اسے تنقید کی حد سے بالا تسلیم کرتے ہیں۔ اور کسی کو تنقید کی حد سے بالا سمجھنا اس پر ایمان لانا کہلاتا ہے۔ اور ختم نبوت کے بعد کوئی ایسی ہستی نہیں ہوسکتی جس پر ایمان لایا جائے۔ یعنی اس کی پیش کردہ تعلیم کو براہِ راست خدا کی طرف سے عطا کردہ سمجھ کر اسے تنقید کی حد سے بالا قرار دیا جائے۔ وذالك الدين القيم!۔''

وجدان:۔ ''ایک صاحب نے اسی ضمن میں مجھ سے کہا ہے کہ جسے ''وجدان'' کہا جاتا ہے، وہ بھی انسانی فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اسے کس زمرہ میں شمار کیا جائے گا۔ مثلاً شاعر جسے ''آمد'' سے تعبیر کرتے ہیں اس میں اشعار بغیر فکری کاوش کے نوکِ قلم پر آتے چلے جاتے ہیں، اسی کو وہ وجدان کہتے ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ''وجدان'' فوق الادراک ذریعہء علم ہے۔ یہ فکری کاوش ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مثال سے یوں سمجھئے کہ انسان جب بات کرتا ہے تو اس میں اس کی کئی ایک صلاحیتیں بروئے کار آتی ہیں۔ وہ پہلے سوچتا ہے کہ مجھے کیا کہنا ہے۔ پھر اس کے لئے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ پھر ان الفاظ میں ایک ربط پیدا کر کے انہیں فقروں کی لڑی میں پروتا ہے۔ پھر ان فقروں کو زبان سے ادا کرتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ انسان کو ایک فقرہ بولنے کے لئے کس قدر فکری کاوش کرنی پڑتی ہے۔ جب بچہ پہلے پہل بولنا سیکھتا ہے تو اس کی یہ کاوش محسوس طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ لیکن آپ کسی شعلہ نوا مقرر کو دیکھئے۔ وہ دو سو لفظ فی منٹ کی رفتار سے بولتا ہے۔ گھنٹوں مسلسل بولتا چلا جاتا ہے۔ وہ برق رفتاری میں، اپنے موضوع کے متعلق سوچتا بھی ہے۔ اس کے

اظہار کے لئے الفاظ کا انتخاب بھی کرتا ہے۔ان الفاظ کو فقروں میں مربوط بھی کرتا ہے۔پھر ان فقروں کو اس طرح زبان سے ادا کرتا ہے کہ نہ صرف الفاظ کا تلفظ نہ بگڑنے پائے بلکہ ان الفاظ کی ادائیگی سے جذبات کی بھی صحیح صحیح نمود ہو جائے۔وہ یہ سب کچھ برق کی سی تیز رفتاری کے ساتھ کئے چلا جاتا ہے۔اور سامعین تو ایک طرف،خود اسے بھی اس کا علم و احساس نہیں ہوتا کہ وہ کب سوچتا ہے،کس طرح الفاظ کا انتخاب کرتا ہے،کب ان لفظوں کو فقروں کے قالب میں ڈھالتا ہے اور پھر کس طرح دریا کی سی روانی کے ساتھ انہیں ادا کئے چلا جاتا ہے۔اس کے اس عمل میں ہمیں کہیں فکری کاوش نظر نہیں آتی۔لیکن اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ یہ ہوتا فکری کاوش ہی کا نتیجہ ہے۔فکری کاوش میں ممارست سے انسان میں اس قسم کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جب اپنی توجہ کو کسی خاص نقطہ یا موضوع پر مرکوز کرتا ہے تو اس کے ذہن کی مشینری کے مختلف پُرزے بیک وقت حرکت میں آجاتے ہیں اور اس تیزی سے حرکت کرتے ہیں کہ فکر کی عام سست خرامی اس حرکت کا احساس نہیں کر سکتی۔بعینہٖ جس طرح پانچ ہزار فی سیکنڈ کی رفتار سے گردش کرنے والے پہیے کی حرکت کو تیز سے تیز نگاہ بھی محسوس نہیں کر سکتی۔وہ ساکن نظر آتا ہے۔عصرِ حاضر کے علم النفس کی تحقیق یہ ہے کہ ہماری معلومات،نفسِ غیر شعوری کے ریکارڈ روم میں جمع رہتی ہیں،اور جب شعور کی مشینری حرکت میں آتی ہے تو وہ ذخیرہ،ریکارڈ روم سے ابھر کر شعوری سطح پر آنا شروع ہو جاتا ہے۔شعور کی مشینری کی رفتار جس قدر تیز ہوگی اسی قدر سرعت کے ساتھ یہ ذخیرہ،شعور کی سطح پر آتا جائے گا۔(جیسا کہ ابھی ابھی کہا جا چکا ہے) اگر اس مشینری کی حرکت کی رفتار برق پا ہے تو شعور کو اس کا احساس بھی نہیں ہونے پائے گا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو رہا ہے۔اور سننے والا ہی نہیں،خود کہنے والا بھی فرطِ حیرت سے پکار اٹھے گا کہ:۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

(تصوف میں قوتِ خیال کے ارتکاز سے اس قسم کی وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔جسے غلطی سے فوق الفکر ذریعہء علم سمجھ لیا جاتا ہے۔نبی کو اپنے ذریعہء علم۔''وحی۔'' کے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں ہوتی۔**مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى** 53:2)۔حالانکہ اس میں نہ غیب کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ ہی صریرِ خامہ کسی سروش کی نوا ہوتی ہے۔چنانچہ اس قسم کے ''وجدانی'' اشعار کو خود غالب بھی گفتہء غالب ہی کہتا ہے۔اور وہ ہوتے بھی گفتہء غالب ہی ہیں۔یہ ہے وجدان کی حقیقت۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے دور کا وجدان (Intuition) کا سب سے بڑا موئید،برگساں،اسے (A higher kind of intellect) ''ایک بلند نوع فکر'' ہی قرار دیتا ہے۔لہٰذا،وجدان بھی کوئی فوق الفکر ذریعہء علم نہیں۔فوق الفکر ذریعہء علم صرف ایک ہی تھا۔۔یعنی وحی۔۔جو بابِ نبوت بند ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔''

چھٹی حِس:۔طلوعِ اسلام ستمبر ۱۹۷۴ء۔ص۔۴۷۔''مَیں اس ''چھٹی حس'' کا منکر نہیں،اور منکر ہو بھی کیسے سکتا ہوں جب میں نے

اسے خود حاصل کر کے دیکھ لیا ہوا ہے۔ لیکن اس حس، کا تعلق نہ ''روحانیت'' سے ہے نہ کسی مافوق الفطرت سرچشمہ سے۔ چند قاعدے اور چند مشقیں ہیں جن سے انسان جب اپنی قوتِ فکر وخیال یا قوتِ ارادی کو نہایت شدت سے مرتکز (Concentrate) کر لیتا ہے تو خود اس کی فکر ایک لطیف قوت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اسی کا نام ''چھٹی حس'' ہے۔ جسے سائیکالوجی میں وجدان (Intuition) کہا جاتا ہے۔ (خود برگساں، جو وجدان کا بہت بڑا حامی ہے، اسے ادراک ہی کی شکل کہہ کر پکارتا ہے)۔ اس فکری قوت کے پیدا کرنے کے لئے نہ کسی عقیدہ کی پابندی ضروری ہے، نہ کفر اور اسلام ہی کی تمیز۔ یہ ایک فنی ملکہ ہے جسے جو شخص چاہے (ان مشقوں کے ذریعے) پیدا کر سکتا ہے۔ اس میں کوئی ''مافوق الفطرت'' راز بھی نہیں۔ (جب آپ کہتے ہیں کہ اس کا ''سائنٹفک طریق'' سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے تو اس کے ''مافوق الفطرت'' ہونے کی تردید آپ خود ہی کر دیتے ہیں۔ کسی ''فوق الفطرت'' عنصر کا مطالعہ سائنٹفک طریق سے نہیں کیا جا سکتا۔ سائنس کا دائرہ، فطرت تک محدود ہے۔ وہ اس سے باہر جا ہی نہیں سکتی)۔ بہرحال، یہ ''حس'' فکرِ انسانی ہی کی بڑھی ہوئی شکل ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ عام حواسِ خمسہ سے الگ یا بلند اور لطیف ہوتی ہے، اس لئے لوگ اسے ''فوق الفطرت'' یا ''روحانی'' قوت سمجھ لیتے ہیں۔ تصوف کی ریاضتوں اور مراقبوں سے بھی یہی قوت پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اسے تصوف کی ریاضتوں اور یوگ کی مشقوں (ورنوں کی رو) سے پیدا کر کے دیکھا ہوا ہے۔ تصوف کا عقیدہ کشف والہام کا ہے۔ جس کے معنی خدا سے براہِ راست علم حاصل ہونا ہے۔ یہ عقیدہ ختمِ نبوت کے منافی ہے۔ خدا سے براہِ راست علم، صرف حضرات انبیاء کرام کو عطا ہوتا تھا جسے وحی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ حضور نبی ءاکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر ختم ہو گیا۔ اب کسی کو خدا سے براہِ راست علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی کو ختمِ نبوت کہتے ہیں۔ وحی کے اتباع سے انسان میں پاکیزگی ءسیرت اور بلندی ءکردار پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا ارفع ترین اور مکمل ترین مقام وہ تھا جس پر نبی ءاکرم ﷺ فائز تھے۔ اور جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ:۔ **وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ** (68:4)۔ ''اے نبی! تو اخلاق کے عظیم مقام پر فائز ہے۔'' قرآن نے حضور ﷺ کی عظمت آپ ﷺ کی اخلاقی بلندی کو قرار دیا ہے۔ یہی وہ سیرت کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی تھی جسے حضور ﷺ نے مخالفین کے سامنے اپنے سچا ہونے کی شہادت کے طور پر پیش فرمایا تھا جب کہا تھا کہ:۔ **فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** (10:16)۔ ''میں نے اس سے قبل، اپنی زندگی تمہارے اندر بسر کی ہے۔ کیا تم اس سے نہیں سمجھ سکتے کہ ایسی زندگی کسی جھوٹے انسان کی ہوتی ہے یا سچے کی''۔ یہی پاکیزگی ءسیرت وحسنِ کردار ہے جو حضور نبی ءاکرم ﷺ کے اسوہ ءحسنہ کے اتباع سے حاصل ہوتا ہے اور اس قسم کی سیرت و کردار کے حامل افراد پر مشتمل وہ جماعت (امتِ محمدیہ ﷺ) ہوتی ہے جس کے ہاتھوں وہ نظام قائم ہوتا ہے جو اسلام کا مقصود اور دین کا منتہیٰ ہے۔ اسلام کوئی ''چھٹی حس'' پیدا کرنے کے لئے نہیں آیا، وہ دنیا میں اس قسم کا نظام قائم کرنے کے لئے آیا تھا جو ہر نوع غلامی کے لئے موت کا پیغام ہے۔''

اب یہ وحی کہاں ہے؟:۔ ''لغات القرآن'' میں پرویز صاحب رقمطراز ہیں ''یاد رکھیئے وحی جس کے معنی خدا کی طرف سے براہ

راست راہنمائی حاصل ہونے کے ہیں وہ آخری مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو مل گئی اور اب وہ قرآن کریم کے اندر کتابت شدہ شکل میں محفوظ ہے۔اس کے بعد انسانوں کو اُن کی راہنمائی کے لئے خدا کی طرف سے کچھ اور نہیں ملا۔نہ ملے گا۔جو اس کا دعویٰ کرتا ہے وہ یا تو خود فریب خوردہ ہے، یا دانستہ لوگوں کو فریب دیتا ہے۔''

وحی کا فائدہ:۔مطالب القرقان۔جلد دوم۔ص۔۱۲۹۔''اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ انسانوں نے جو باہمی اختلافات پیدا کر لئے تو ان کا مٹانا، ان کے بس کی بات نہیں تھی۔اس کے لئے خدا کی راہنمائی کی ضرورت تھی، جس کا سلسلہ اس زمانے میں شروع کر دیا گیا جب انسانوں میں یہ اختلافات نمودار ہوئے۔سورہء یونس میں کہا گیا ہے کہ:۔(مفہوم)۔''تمام انسان ایک برادری کی شکل میں رہتے تھے۔لیکن بعد میں انہوں نے باہمی اختلافات پیدا کر لئے۔''(10:19)۔اور سورہء بقرۃ میں ہے:۔(مفہوم)۔''تمام انسان امتِ واحدہ کی شکل میں رہتے تھے (پھر انہوں نے باہمی اختلافات پیدا کر لئے اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے، تو ان اختلافات کو مٹانے کے لئے) خدا نے انبیائے کرام کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا، جو انہیں آکر بتاتے تھے کہ وحیء خداوندی کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کا نتیجہ کس قدر خوشگوار ہوگا اور اس کی خلاف ورزی کے نتائج کس قدر تباہ کن ہوں گے۔ان (انبیاء) کے ساتھ خدا نے ضوابط قوانین نازل کئے تاکہ وہ انسانوں کے باہمی اختلافی معاملات کا، حق وصداقت کے ساتھ فیصلہ کریں۔''(2:213)۔یہی ہے وہ حقیقت، جس کے لئے کہا ہے:۔**فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ** (2:37)۔یعنی آدم کو خدا کی طرف سے راہنمائی ملی۔''

آسمانی راہنمائی:۔طلوعِ اسلام نومبر 1979ء۔ص۔8۔7۔''انسان کو جب اس دنیا میں بسایا گیا تو اُس سے کہہ دیا گیا کہ زندگی کے بنیادی مسائل کا اطمینان بخش حل تنہا عقل کے بس کی بات نہیں۔اس کے لئے تمہیں آسمانی راہنمائی ملتی رہے گی۔:**فَمَنۡ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ** (2:38)۔جو اس راہنمائی کا اتباع کرے گا وہ بلا خوف وخطر اور بے حزن وملال منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا۔اس راہنمائی کے لئے پروگرام تو یہی تھا کہ زندگی کے بنیادی اور غیر متبدل اصول واقدار کو وحی کی رو سے دیا جائے، اور اس بات کو ہر دور کے انسانوں پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے لئے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق عملی طریق کار خود وضع کریں۔لیکن شروع شروع میں انسانی عقل وشعور خام اور اس کا تجربہ ناپختہ تھا، اس لئے ان اصولوں کی بیشتر جزئیات بھی خود وحی کی رو سے متعین کر دی جاتی تھیں۔مثلاً جب حضرت نوح سے کہا گیا کہ وہ آنے والے سیلاب سے محفوظ رہنے کے لئے کشتی بنائیں تو، کشتی بنانے کا طریق بھی وحی کی رو سے بتایا گیا۔ان سے کہا گیا کہ:۔**وَاصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَوَحۡیِنَا** (11:37)۔''تم ہماری زیرِ نگرانی، ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔''اس طرح ایک رسول، غیر متبدل اصول وضوابط اور اپنے زمانے کی ضروریات کے

مطابق، جزئیات و تفاصیل اپنی امت کو دے کر چلا جاتا۔لیکن اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ہوتا یہ کہ اس کے نام لیوا، مذہبی پیشوا، اپنی مفاد پرستیوں کے لئے، اُس کی وحی میں اپنے خیالات کی آمیزش کر دیتے اور کہیں وہ دست بردِ زمانہ سے ویسے ہی تلف ہو جاتی۔اُس کے بعد ایک اور رسول آجاتا اور ایک جدید ضابطہء حیات بذریعہ وحی دے دیتا۔اس میں غیر متبدل اصول تو وہی ہوتے جو سابقہ رسول کی وحی میں تھے لیکن جزئی احکام کا ازسرِنو جائزہ لیا جاتا۔ان میں جو احکام ایسے ہوتے جن میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ ہوتی انہیں علیٰ حالہٖ رہنے دیا جاتا۔جن میں تبدیلی کی ضرورت ہوتی ان کی جگہ جدید احکام دے دیئے جاتے۔اور عندالضرورت ان میں اضافہ بھی کر دیا جاتا۔یہی وہ نظامِ وحی ہے جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (2:106)۔جو (سابقہ) حکم ہم منسوخ کر دیتے تھے اس کی جگہ اس سے بہتر حکم نازل کر دیتے تھے۔اور جو احکام ایسے تھے جن میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں تھی لیکن انہیں فراموش کر دیا گیا تھا، ان کی دوبارہ۔۔۔تجدید کر دی جاتی تھی۔۔۔دوسرے مقام پر اسے ''تبدیلیء احکام'' کے پروگرام سے تعبیر کیا گیا ہے (16:101)۔

آخری ضابطہء حیات:۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تا آنکہ تاریخِ انسانیت میں اُس دور کا آغاز ہو گیا جس میں ذہنِ انسانی نے بلوغت تک پہنچ جانا تھا۔اس کی علمی اور فکری صلاحیتوں میں پختگی آجانی تھی۔اس کے تجربہ اور مشاہدہ کے میدان، افق تا افق پھیلتے چلے جانے تھے۔تو اُس وقت نوعِ انسان کو وحی کی رو سے آخری ضابطہء حیات عطا کیا گیا جسے قرآن کریم کہا جاتا ہے۔اس میں کچھ تو جزئی احکام تھے اور باقی زندگی سے متعلق وہ ابدی اصول و اقدار جو شروع سے غیر متبدل چلے آتے تھے اور جنہیں، قوانینِ کائنات کی طرح ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہنا تھا۔۔۔انہی اصولوں کے متعلق کہا گیا کہ:۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔۔۔(42:13)۔تمہارے لئے بھی وہی الدین۔۔ضابطہء حیات۔۔تجویز کیا گیا ہے، جو انبیائے سابقہ۔۔مثلاً نوح، ابراھیم، موسیٰ، عیسیٰ (علیہم السلام) کی طرف وحی کیا گیا تھا۔ان سے بھی ہم نے یہی کہا تھا۔۔اور تمہیں بھی اس کی تاکید کی جاتی ہے۔۔۔کہ اس ضابطہء حیات میں کسی قسم کا اختلاف اور تفرقہ پیدا نہ کرنا۔۔اس لئے کہ زندگی کے اساسی قوانین و اقدار میں اختلاف یا تفرقہ، نظامِ حیات کو درہم برہم کر دیتا ہے۔۔یہی وہ الدین۔۔غیر متبدل اصولِ حیات کا ضابطہ۔۔تھا جس کا ''مھیمن'' (محفوظ ریکارڈ) قرآن کریم تھا (5:48)۔ان اصولوں کے علاوہ، جو کچھ اقوامِ سابقہ کو بذریعہ وحی دیا گیا تھا، وہ احکامِ شریعت تھے جو قابلِ تغیر و تبدل تھے۔انہی کے متعلق کہا تھا کہ: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (5:48)۔''

عقل کا مقام:۔ اس مقام پر یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ وحی عقل کی مخالف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وحی عقلِ انسانی کو مسترد نہیں

کرتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسانی عقل کو بہت بلند مقام عطا کیا ہے۔ پرویز صاحبؒ ''انسان نے کیا سوچا؟'' میں لکھتے ہیں کہ ''کسی کا یہ کہنا کہ ہم وحی ونبوت کی حقیقت کو سمجھے بغیر کس طرح وحی پر یقین کرلیں، کوئی معقول اعتراض نہیں ہے۔ اس سے نہ انسانی عقل کی توہین ہوتی ہے نہ اس کے شرف کی تحقیر۔ یہ ایک حقیقت کا اعتراف ہے اور عقل سے بلند ذریعہ علم سے تعارف۔ یہ اعتراف خود عقل کے لئے قابل شرف اور وجہ بالیدگی ہے۔ اس لئے کہ عقل اس کی روشنی میں ان راستوں کو چند لمحوں میں طے کرلیتی ہے جن میں وہ اس روشنی کے بغیر مدت العمر تک ٹامک ٹوئیاں مارتی رہتی ہے۔ اور صحیح راستے کا نشان اپنے سامنے نہیں پاتی۔'' (صفحہ نمبر 429-30)۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں وحی ''Economising human efforts'' (انسانی کوششوں میں بچت) کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ عقل کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے مگر اُسے راہنمائی کے لئے وحی کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو بے پناہ صلاحیتوں کے باوجود دیکھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔

پرویز صاحب نے اپنی کتاب ''مطالب الفرقان'' میں آیت نمبر 2:17 کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ''قرآن کریم نے عقل وفکر انسانی کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس کی رو سے عقل اور وحی کا باہمی تعلق ایسے ہی ہے جیسے سورج کی روشنی اور انسانی آنکھ کا۔ جس طرح سورج کی روشنی کے بغیر، انسانی آنکھ کچھ کام نہیں دے سکتی، اسی طرح انسان اپنی آنکھیں بند کرلے تو سورج کی روشنی بھی اس کے لئے بے کار ہو جاتی ہے۔ اسی قرآنی حقیقت کو مشہور مغربی مفکر لاک (Lock) نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

''جو شخص، وحی کے لئے جگہ بنانے کی خاطر، عقل وبصیرت کو باہر نکال دیتا ہے، وہ وحی اور عقل دونوں کے چراغ گُل کر دیتا ہے۔'' (Essay----Book -4)

زندگی کے اس روشن راستے میں، جسے وحی نے تجویز کیا ہے، جگہ جگہ دوراہے آتے ہیں جہاں مختلف سمتوں کی طرف جانے والے راستوں کے متعلق نشانات (Sign - Posts) نصب ہوتے ہیں۔ عقل کا کام یہ ہے کہ وہ ان نشانات کو پڑھے اور ان کے مطابق صحیح راستہ اختیار کرے یا یوں سمجھئے کہ بچوں کی حساب کی کتاب میں مختلف سوالات دیئے ہوتے ہیں جنہیں وہ ریاضی کے قاعدوں کے مطابق عقل وفکر کی رُو سے حل کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنے حل کو اس جواب سے ملاتے ہیں جو کتاب کے آخری حصہ میں دیا ہوتا ہے۔ اگر اُس کا حل، جواب کے مطابق ہے تو بچہ مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے سوال ٹھیک حل کیا ہے۔ آپ سوچئے کہ اگر کسی بچے کے پاس ایسی کتاب ہو جس میں سوالات کا حصہ تو ہو لیکن جوابات کا حصہ ضائع ہو چکا ہو تو سوال کے حل کرنے کے بعد وہ اس کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق جس الجھن میں مبتلا ہو جائے گا اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ **عقل انسانی کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے حل کو وحی کے جواب کے ساتھ ملاتی چلی جائے اور جو اس سے ہم آہنگ ہو اسے صحیح قرار دے کر آگے بڑھ جائے۔**

خود افلاطون نے اس طریق کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''یہ (اربابِ فکر) کچھ بنائیں گے، اسے پھر مٹائیں گے، یہی کچھ کرتے رہیں گے
تا آنکہ وہ انسانی راستوں کو حتی الامکان خدائی راستوں سے ہم آہنگ کرلیں گے۔''

(Republic)

پرویز صاحب کی اس تشریح سے صاف ظاہر ہے کہ وحی اور عقل دونوں کی ضرورت ہے۔ البتہ عقل وحی کی اصولی روشنی میں تیزی سے اپنے مسائل حل کرلے گی۔ جبکہ عقل اپنے تجرباتی طریق کے باعث مسائل کے حل کے لئے بہت زیادہ وقت لے گی۔ اور پھر بھی اطمینان بخش حل تک نہیں پہنچ پائے گی۔

عقل وفکر کی عظمت:۔ طلوعِ اسلام۔ نومبر 1982ء صفحہ نمبر 30؛ ''آپ قرآن کریم کو اٹھا کر دیکھئے۔ اس کے ورق ورق پر عقل وشعور کی اہمیت اور فہم وفراست کی عظمت، تابندہ حروف میں لکھی ملے گی۔ سورہ اعراف میں ہے کہ آؤ! تمہیں بتائیں کہ جہنم کے مستوجب کون لوگ ہیں۔ وہ:۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۔۔۔۔۔ جو سینے میں دل (سوچنے سمجھنے کی صلاحیت) تو رکھتے ہیں، لیکن عقل وفکر سے کام نہیں لیتے:۔ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ۔۔۔۔ جو آنکھیں تو رکھتے ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے:۔ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۔۔۔۔۔ جو کان تو رکھتے ہیں لیکن ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ ۔۔۔ یہ لوگ، انسان نہیں حیوانات کی مانند ہوتے ہیں:۔ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۔۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ:۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (7:179)۔ اس لئے کہ یہ ذرائع علم رکھنے کے باوجود بے خبر اور بے علم رہتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے کہ جہنم میں داخل ہونے والوں سے اس کا داروغہ پوچھے گا کہ تم کس جرم کی پاداش میں یہاں آگئے؟۔ وہ جواب میں کہیں گے کہ اس جرم کی پاداش میں کہ جو لوگ ہم سے عقل وفکر سے کام لینے کے لئے کہتے تھے، ہم ان کی بات نہیں سنتے تھے:۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (68:10)۔ اگر ہم ان کی بات سنتے اور عقل وفکر سے کام لیتے تو ہمارا شمار اہلِ جہنم میں کیوں ہوتا؟۔

عقل وفکر سے کام نہ لینے والے ایک تو وہی ہیں جن کی عقل وفکر کی صلاحیتوں کو مستبد قوتوں نے سلب کر رکھا ہو، ان کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو عقل وفکر سے کام لینے کی بجائے اپنے بے باک جذبات کے پیچھے چلے۔ ان کا شمار بھی اہلِ جہنم میں ہوتا ہے۔ سورہ یٰسین میں ہے کہ ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تمہیں متنبہ کیا گیا تھا کہ اپنے بے باک جذبات کے پیچھے نہ لگنا اور عقل وفکر سے کام لینا۔ تم نے ایسا نہ کیا تو اس کا نتیجہ یہ جہنم ہے جس سے تمہیں پہلے متنبہ کر دیا گیا تھا (36:67)۔ آسمانی انقلاب کے اس پیامبرِ عظیم ﷺ نے اپنی دعوت پیش کی تو کہا کہ:۔ أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (12:108)۔ ''میں جو تمہیں خدا کے راستے کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں تو علیٰ وجہ البصیرت دیتا ہوں۔ میں بھی ایسا کرتا ہوں اور میرے متبعین کی بھی یہی روش ہوگی۔ تم اس پر

عقل وفکر کی رو سے غور کرو۔ علم وبصیرت کی روشنی میں اسے پرکھو۔ اگر تم اس کی صداقت پر مطمئن ہو جاؤ تو قلب و دماغ کی کامل رضامندی سے اس کا اعتراف کرو (اسے ایمان کہا جاتا ہے)۔'' اس سے تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

سوچا کرو:۔ ''اس سلسلہ میں سورہ سبا کی ایک آیت ایسی جامع ہے جس میں قرآن نے تمام تفاصیل کو چند الفاظ میں سمٹا کر رکھ دیا ہے، اور اگر کہا جائے کہ وہ اس باب میں حرفِ آخر ہے تو اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ عمر بھر اپنی دعوت کو پیش کرتے رہے، اس کے لئے آپ ﷺ نے مختلف طرق و اسالیب اختیار فرمائے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم کے متنوع گوشے ہیں۔ یہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔ اس کی تعلیم کی وسعتیں حدود فراموش اور اس کے موضوع قیود نا آشنا ہیں۔ لیکن آپ غور کیجئے کہ اس قسم کی تعلیم کا مبلّغ اپنے مخاطبین سے کہتا ہے کہ میں تم سے کوئی لمبی چوڑی باتیں نہیں کرنا چاہتا۔ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، صرف ایک بات: **قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ**۔۔ آپ اندازہ لگائیے کہ وہ بات کس قدر اہم اور بنیادی ہوگی۔ وہ ایسی بات ہوگی جس میں اسلام کی ساری تعلیم کا نچوڑ آجائے۔۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات سننے کے لئے ہر مخاطب آمادہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ ان سے کہتے ہیں کہ: **اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى**۔۔ اس بات کے سننے کے لئے اگر تم سب کے سب رکنا نہیں چاہتے تو تمہاری مرضی، تم ایک ایک دو دو کر کے ہی رک جاؤ، اور اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ جب آپ ﷺ نے اس طرح ان کی توجہات کو اپنی طرف مرکوز کر لیا تو فرمایا کہ وہ ایک بات جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ: **تَتَفَكَّرُوْا** (34:46)۔ تم سوچا کرو۔ غور و فکر کیا کرو۔ عقل و بینش سے کام لیا کرو۔ بس یہی تھی وہ ایک بات جو میں تم سے کہنا چاہتا تھا۔ اگر تم نے عقل و فکر سے کام لینا شروع کر دیا تو میرا مرحلہ آسان ہو گیا۔

مومن کسے کہتے ہیں؟:۔ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن کریم کی رو سے مومن کی بنیادی خصوصیت کیا ہے؟۔ یعنی وہ خصوصیت جس کے بغیر ایک انسان، مومن نہیں کہلا سکتا۔ سنیئے اور غور سے سنیئے:۔ **وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا** (25:73)۔ ''مومن وہ ہیں کہ، اور تو اور، جب اُن کے سامنے آیاتِ خداوندی بھی پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان پر بھی بہرے اور اندھے بن کر نہیں گر پڑتے۔'' یہ ہے مومن کی بنیادی خصوصیت۔۔ ہمارے ہاں لفظ ایمان کا ''انگریزی زبان میں ترجمہ'' (Faith) کیا جاتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ ایمان (Faith) یعنی اندھی عقیدت نہیں یہ اس اعترافِ حقیقت کا نام ہے جو دل و دماغ کے پورے اطمینان کے بعد، عقل وفکر کی رو سے کیا جائے۔ اسے آپ (Conviction) کہہ سکتے ہیں۔ مذہب کی بنیاد (Faith) یعنی اندھے یقین پر ہوتی ہے۔ دین، علیٰ وجہ البصیرت (By Conviction) اختیار کیا جاتا ہے۔ مذہب کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ:۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید۔ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا۔

اور دین یہ کہتا ہے کہ سالک تو ایک طرف، تم خدا کی بات بھی سوچے سمجھے بغیر نہ مانو۔ اس سے واضح ہے کہ دین، درحقیقت، مذہب کے خلاف چیلنج ہے۔ (ضمناً۔ اس سے یہ حقیقت بھی آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ میں نے جو اپنی کتاب کا نام (Islam --- A Challenge to Religion) رکھا ہے تو وہ قرآن ہی کی پیش کردہ حقیقت پر مبنی ہے۔

جذبات، عقل اور وحی:۔ قرآن کریم نے جذبات اور عقل اور وحی کے تعلقات کو، دو آیات میں، اپنے مخصوص، حسنِ ایجاز کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ سورہ جاثیہ میں ہے: **اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ** ۔ کیا تو نے اس شخص، یا اس قوم کی حالت پر بھی غور کیا ہے جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا خدا بنا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ: **وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ** ۔ وہ علم و بصیرت رکھنے کے باوجود صحیح راستے سے بھٹک گیا۔ **وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً** ۔ اور اس کے سننے، دیکھنے، سمجھنے، سوچنے کی صلاحیتیں مفلوج ہو گئیں۔ **فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ** ۔۔۔۔ (45:23)۔ جو اس طرح جذبات سے مغلوب ہو جائے اسے صحیح راستہ کون دکھا سکتا ہے؟۔ یعنی جب انسان جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے تو اس کا علم اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اور اس کی فکر و دانش کی صلاحیتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ دوسری جگہ ہے کہ تم تاریخ کے شواہد پر غور کرو۔ اس میں تمہیں ایسی قومیں دکھائی دیں گی جو بڑی بڑی وسیع و عریض سلطنتوں کی مالک تھیں۔ نہایت درخشندہ و تابناک تہذیب کی حامل تھیں۔ علم و فضل میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بڑی نمایاں تھیں۔ لیکن اس کے باوجود، وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے علم و عقل کو مستقل اقدارِ خداوندی کے تابع نہ رکھا: **فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** ۔۔۔۔ (46:26)۔ جب انہوں نے اقدار و قوانینِ خداوندی سے انکار کیا اور سرکشی برتی تو ان کا علم و بصیرت ان کے کسی کام نہ آیا اور وہ تباہی کے جہنم میں جا گریں۔ اس دعویٰ کی شہادت کے لئے ہمیں تاریخ کے اوراق کو پیچھے کی طرف الٹنے کی ضرورت نہیں۔ خود ہمارے زمانے میں اقوامِ مغرب کی حالت اس کی شاہد ہے۔ علم و عقل کا یہ عالم کہ اس سے پہلے کوئی قوم شاید ہی اس بلندی پر پہنچ پائی ہو، اور اس کے باوجود جہنمی زندگی کی یہ کیفیت کہ شاید ہی کوئی قلب ایسا ہو جس میں اس کے شعلے نہ بھڑکتے ہوں۔ یہ اس لئے کہ ان اقوام نے اپنے حیوانی جذبات کو عقل و بصیرت کے تابع نہیں رکھا اور عقل و بصیرت سے مستقل اقدارِ خداوندی کی روشنی میں کام نہیں لیا۔ اقبال کے الفاظ میں، عصرِ حاضر کے انسان کی کیفیت یہ ہے کہ:۔

عقل ناپید و خردمی گزدش، صورتِ مار — عقل کو، تابعِ فرمانِ نظر، کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شبِ تاریک، سحر کر نہ سکا

ان تصریحات سے واضح ہے کہ ''دین'' کا اساسی اصول یہ ہے کہ انسانی جذبات کو عقل و بصیرت کے تابع رکھا جائے اور عقل و بصیرت سے اقدار و قوانینِ خداوندی کی روشنی میں کام لیا جائے جو وحی کی رو سے عطا ہوئے ہیں۔''

☆......☆......☆

(نوٹ):۔ وحی کے بارے میں مزید جاننے کے لئے پرویز صاحب کی کتب:۔ ''انسان نے کیا سوچا؟''۔ ''اسلام کیا ہے''۔ ''من و یزداں'' اور ''ابلیس و آدم'' کے علاوہ ان کے سلسلہ معارفِ قرآن کا مطالعہ ضروری ہے۔

☆......☆......☆

آصف جلیل (کراچی)

اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْن

کہتے ہیں کہ اگر جنگل کا قانون شیر بنائے گا تو اس میں بکریوں کا خیال کس قدر رکھا جائے گا۔ اگر شیر قوت اظہار رکھتا تو کہتا کہ جناب ہم انسانوں سے تو بہتر ہیں۔ ہمارا پیٹ بھر جاتا ہے تو ہم بکریوں کو کچھ نہیں کہتے۔ اور تمہارا پیٹ تو مرتے دم تک نہیں بھرتا۔ اس مثال سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اگر کسی طاقتور کے پاس قانون بنانے کا اختیار ہو تو وہ کمزوروں کے حقوق کا ہرگز خیال نہیں کرے گا۔ علاوہ ازیں جب قانون سازی کا اختیار کسی انسان یا گروہ کو ملتا ہے تو وہ دوہرا معیار اختیار کرتے ہیں۔ سارے مفادات خود حاصل کر لیتے ہیں اور محنت کی چکی میں غریبوں کو پیس دیتے ہیں۔ صدیوں کے ظلم وستم اور قتل وغارت کے بعد جن ممالک میں جمہوری اور فلاحی مملکتیں قائم ہوئی ہیں وہاں کسی حد تک صورت حال بدلی ہے۔ نہ معلوم ابھی کتنے ہزار سال اور لگیں گے کہ لوگ قرآن کریم کے دیئے ہوئے قوانین تک پہنچ پائیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا انسانیت پر عظیم احسان ہے کہ اس نے اپنی طرف سے ایک ضابطہء حیات دیا ہے۔ اس میں قانون سازی کا اختیار کسی انسان کو حاصل نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی انسان ایسا نظام مرتب نہیں کر سکتا جس میں حال اور مستقبل کے انسانوں کی فلاح کے لئے غیر متبدل قوانین دے سکے۔ اللہ کے واحد ہونے کا مظہر سب کے لئے یکساں قانون ہے۔ انسان دوہرے معیار سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔ یورپی ممالک میں کسی حد تک اپنی قوم کے لئے دوہرے معیار کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے وہ قابل ستائش ہیں لیکن دوسرے ممالک کے لئے ان کا معیار دوسرا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ابھی تک قرآنی ضابطہء حیات سے کافی دور ہیں۔ جنہیں اسلامی ممالک کہا جاتا ہے وہاں تو قرآن کریم کا کوئی ضابطہ ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ جسے وہ اسلامی شریعت کہتے ہیں وہ بھی انسانوں ہی کی مقرر کردہ ہے جنہیں گذرے ہوئے چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ ان کی رو سے حکمرانوں کو جو استثناء حاصل ہوا ہے وہ آج تک جاری ہے۔

پاکستان میں اللہ کے قوانین تو خوردبین سے ڈھونڈنے پڑیں گے۔ یہاں تو ملکی قوانین بھی موم کی طرح ہیں جو حکمران طبقے کے مفادات کے سانچوں میں ڈھلتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود ان پر عمل درآمد کسی طرح نظر نہیں آتا۔ جب اقتدار کی مسند پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے قوانین کی خلاف ورزی کو اپنا وطیرہ بنا لیا تو اس کے بعد حکومتی کارندوں نے بھی یہی مسلک اپنا لیا۔ پھر عوام کیوں پیچھے رہیں۔ جہاں ان کا بس چلتا ہے وہاں وہ بھی اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ملک میں صدر مملکت کو استثناء کا قانون موجود ہے۔ اب کوشش کی گئی کہ اس میں وزیر اور پارلیمان کے ممبران بھی شامل ہو جائیں۔ حالانکہ عملاً تو ہر کسی نے بقدر استطاعت استثناء حاصل کر رکھا ہے۔ اس کا نظارہ آپ کسی بھی ٹریفک سگنل پر کر سکتے ہیں۔ کسی کو ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا کہ سرخ بتی پر رکنے میں خود ان کا فائدہ ہے۔ اس کار

خیر میں جاہل ڈرائیور ہی نہیں بلکہ جس طبقے کو مہذب سمجھا جاتا ہے وہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ خواتین بھی یہاں مردوں کی برابری کرتی نظر آتی ہیں۔

سرکاری اہل کار کوئی بھی غیر قانونی کام کرتے ہوئے ہرگز نہیں جھجکتے۔ آئے دن ان کے کارنامے اخبارات کی زینت بنتے ہیں لیکن کوئی ان کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ عدالتوں میں شور تو بہت زیادہ سنائی دیتا ہے لیکن بہت سے کیس وقت گزرنے کے بعد سرد خانے میں چلے جاتے ہیں۔ حکومتی اعلانات پر کوئی کان نہیں دھرتا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ ان پر عمل درآمد نہیں ہوگا۔ ایف بی آر کی طرف سے ہر سال کروڑوں روپوں کے اشتہارات اخباروں میں چھپتے ہیں جن میں لکھا جاتا ہے کہ ٹیکس جمع کرانے کی آخری تاریخ یہ ہے اور اسے ہرگز بڑھایا نہیں جائے گا۔ لیکن پھر نیا اعلان آجاتا ہے کہ تاریخ دس دن تک بڑھادی گئی ہے۔ اس کے بعد نہیں بڑھائی جائے گی۔ اور پھر ایک مرتبہ بڑھادی جاتی ہے۔ بالکل شیر آیا شیر آیا والی کہانی لگتی ہے۔ کراچی میں کئی مرتبہ اعلان ہوا کہ وال چاکنگ پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ اس کے بعد حکومتی شخصیات کے بارے میں زندہ باد کے نعرے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں لکھا ہوتا ہے کہ پان کی پیک پھینکنا منع ہے وہیں دیوار رنگین نظر آتی ہے۔ ایک مرتبہ اعلان ہوا کہ پارٹیوں کے جھنڈے ہٹالئے جائیں۔ اس کے بعد جھنڈوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ قانون کی دھجیاں اڑانے کی عادت ہر کسی کے خون میں رچ بس گئی ہے۔

ان تمام مسائل کا قرآن کریم میں صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی زبانی کہلوایا گیا کہ **قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ** [39:11] مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ کے احکام کی پیروی کروں۔ **وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ** [39:12] اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ہوجاؤں۔ **قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ** [39:13] کہہ دیں کہ میں اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ صرف نبی ہی نہیں بلکہ قرآن پر مبنی پہلی مملکت کے سربراہ بھی تھے۔ لیکن اللہ کے قانون میں ان کے لئے بھی کوئی استثنانہ تھا۔ اگر قانون سب کے لئے یکساں نہ ہو تو وہ اپنی وقعت کھودیتا ہے۔ سربراہ مملکت کو مثال بننا ہوتا ہے تاکہ عوام بھی جان لیں کہ انہیں بھی اسی طرح کرنا ہوگا۔ اس کا اطلاق زندگی کے ہر گوشے میں ہونا چاہئے۔ اگر حکمران ٹھاٹھ باٹھ سے رہیں گے تو عوام بھی اس دوڑ میں لگ جاتے ہیں۔ اگر عزت کا معیار دولت ہوجائے تو پھر ہر کسی کا مقصد دولت حاصل کرنا ہوگا چاہے اس کا ذریعہ کچھ بھی ہو۔ غرض جیسے حکمران ہوں گے ویسے عوام بھی۔

اسی طرح قانون کی حکمرانی کے بغیر فساد کو نہیں روکا جاسکتا۔ کوئی اعلان ہو تو سب کو یقین ہو کہ اس پر عمل درآمد ہوگا اور خلاف ورزی کرنے والا ہرگز نہیں بچ سکے گا۔ اور حکومت کے سربراہ اور اہل کاروں کو سب سے پہلے عمل کرکے مثال قائم کرنا ہوگی۔ اس بات کا خیال قرآنی فکر سے وابستہ لوگوں کو بھی ہونا چاہئے کہ تبلیغ کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ پہلے خود عمل کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

مقام محمود

قرآنِ کریم نے انسان کی حکومت دوسرے انسان پر قطعی حرام قرار دی ہے۔ یہ قرآنِ کریم کا بڑا زبردست انقلابی نعرہ تھا۔ (اور ہے) اس نظریہ کا منطقی نتیجہ یہ تھا (اور ہے) کہ قرآنِ کریم نے شخصیات کا دور ختم کر کے، نظام، اداروں کا دور شروع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دین ہوا نظام (دین) جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اِس دنیا میں جاری کیا تھا۔ اِس کی اطاعت کو اللہ و رسول کی اطاعت قرار دیا۔ یہ حضورؐ کی ذاتی اطاعت نہیں تھی۔ بلکہ یہ Functional اطاعت تھی، جو نظام کے ذریعے ہی ہو سکتی تھی۔ اگر کسی وقت نظام قائم نہیں ہے جیسا کہ اِس وقت نہیں ہے تو حضورؐ کی اطات کسی طرح بھی نہیں ہو سکتی۔ اسی نظام کو قائم کرنے کے لئے حضورؐ اور آپ کے ستاروں سے زیادہ روشن ساتھیوںؓ نے اپنی سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ ان خوش نصیب حضرات میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کے نام نامی واسم گرامی قدر آج تک نمایاں اور معروف ہیں لیکن ان میں کچھ حضرات وہ بھی ہوں گے جنہوں نے اپنی جانیں تک قربان کر دیں، لیکن ان کے کارنامے ہم تک نہیں پہنچ سکے۔ لیکن وہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں مثاب و ماجور ہیں اور بلند دعالی مقامات کے حامل ہیں۔ قرآنِ کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے عالی مقام ساتھیوں کی اِن کوششوں کا ذکر بے شمار جگہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مقام سورۃ بنی اسرائیل کا بھی ہے، جہاں ارشاد عالی ہوتا ہے۔

76) ' وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا

77) ' سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا

78) ' اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا

79) وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

76) قریب تھا کہ وہ تجھے مکروفریب اور شاطرانہ سازش کے ذریعے اس سرزمین سے باہر نکال دیتے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتے تو تیرے بعد زیادہ دیر باقی نہ رہتے۔

77) ہماری یہ سنت ان انبیاء کے بارے میں ہے کہ جنہیں ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا ہے۔ اور تو ہماری سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔

78) نماز قائم کر' زوال خورشید سے لیکر شب کی انتہائی تاریکی تک اور اِس طرح وقتِ فجر' کیونکہ قرانِ فجر کا (فرشتے) مشاہدہ کرتے ہیں۔

79) رات کے ایک حصہ میں نیند سے اُٹھ کھڑا ہو اور قرآن (نماز) پڑھ یہ تیرے لئے ایک اضافی فریضہ ہے تاکہ تیرا پروردگار تجھے مقام محمود کی بلندی عطا کرے۔

یہ سورۃ بنی اسرائیل کی چار آیات کریمات ہیں' جو بالکل واضح ہیں' ان کا مفاد یہ ہے کہ مکہ کے مشرکین حضورؐ کو اِس درجہ تنگ اور پریشان کریں گے کہ حضورؐ تنگ آ کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمالیں گے۔ یہ ہجرت کوئی پریشانیوں وتکالیف سے نجات حاصل کرنے یا ان سے بچنے کے لئے نہیں تھی بلکہ یہ ہجرت اِس لئے تھی کہ حضور کو اِس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ مکہ کی سرزمین ان کے مشن کے لئے سازگار نہیں تھی۔ اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اس نظام کے قیام کے طریقہ کی بھی خود قرآن نے نشاندہی فرمادی جس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے کہ زوالِ خورشید سے لیکر نصف شب تک حضور نماز پڑھیں اور تہجد کی نماز پڑھیں۔ ان دونوں چیزوں کی ادائیگی سے حضور کو وہ مقام محمود حاصل ہو جائے گا۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا نماز اور تہجد کی ادائیگی سے کوئی نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور قرآن کریم نے جس مقام محمود کا ذکر فرمایا ہے وہ مقام محمود کیا چیز ہے؟

تفسیر معارف القرآن میں تحریر ہے ''رسول اللہ کو اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دینے میں اِس طرف اشارہ ہے کہ دشمنوں کے مکروکید اور ایذاؤں سے بچنے کا بہترین علاج نماز کی اقامت ہے۔ اِس آیت میں دشمنوں کی ایذاؤں کا علاج اللہ کے ذکر' حمد وتسبیح اور نماز میں مشغول ہو جانے کو قرار دیا ہے ذکر اللہ اور نماز بالخاصہ ان سے بچنے کا علاج ہے۔ اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنا اللہ تعالیٰ کی مدد پر موقوف ہے اور اللہ کی مدد حاصل کرنے کا سب سے افضل ذریعہ نماز ہے''۔ جلد 5' صفحہ 514۔ پھر مقام محمود کی بھی حضرت اقدس نے وضاحت فرمادی کہ ''یہ مقام تمام انبیاء میں سے آنحضرتؐ کے لئے مخصوص ہے۔ اس کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں مگر صحیح وہ ہے جو احادیث صحیحہ میں خود رسول اللہ سے منقول ہے۔ یہ مقام شفاعتِ کبریٰ کا ہے کہ میدانِ حشر میں جس وقت تمام بنی آدم

جمع ہوں گے اور ہر نبی و پیغمبر سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو تمام انبیاء یہ عذر کر دیں گے کہ صرف رسول اللہ کو یہ شرف عطا ہوگا کہ تمام بنی آدم کی شفاعت فرما دیں گے۔ تفصیل اس کی روایات حدیث میں طویل ہے جو اس جگہ ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں لکھی ہے''

تفسیر ضیاء القرآن میں تحریر ہے ''حضور کریم کو راہِ حق سے منحرف کرنے کے لئے مشرکین جو جتن کیا کرتے تھے اور حضور کو تکلیف پہنچانے کے لئے جس طرح سرگرم رہا کرتے تھے۔ ان کے ذکر کے بعد' اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو نماز کی ادائیگی کی طرف متوجہ فرما رہا ہے تاکہ ان جاں گسل لمحوں میں تائید خداوندی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ نماز پنجگانہ سفر معراج میں فرض ہوئی تھی۔ یہاں نمازوں کے اوقات بتائے جا رہے ہیں۔ جن کی تفصیل حضرت جبرئیل نے دو روز حاضر ہو کر اور جماعت کرا کے کر دی''۔ مقام محمود کے متعلق تحریر ہے ''هو المقام الذی اِشْفَعُ فیه لِامتی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا' روز حشر جب ہر دل پر خوف و ہراس طاری ہوگا۔ جلال خداوندی کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی بڑے بڑے شجاع اور زورآور اور سرکش مارے خوف کے پانی پانی ہو رہے ہوں گے کہ ساری خلق خدا' آدم سے لیکر حضرت کلیم تک کا دروازہ کھٹکھائے گی۔ لیکن کہیں شنوائی نہ ہوگی آخر کار حضرت عیسیٰ کے پاس پہنچے گی اور ان سے شفاعت کی ملتجی ہوگی۔ آپ جواب دیں گے کہ میں خود آج لب کشائی کی جسارت نہیں کر سکتا۔ ہاں تمہیں ایک کریم کا آستان بتاتا ہوں جس پر حاضر ہونیوالا کبھی نامراد واپس نہیں لوٹا۔ جاؤ اللہ کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر عرض حال کرو۔ چنانچہ سب بارگاہ محبوب کبریا میں حاضر ہوں گے اور اپنی داستان غم پیش کریں گے۔ حضور سن کر فرمائیں گے ہاں میں تمہاری دستگیری کے لئے تیار ہوں۔ حضور عرشِ عظیم کے قریب پہنچ کر سجدہ میں گر جائیں گے۔ اپنی پاک اور مطہر زبانِ نور سے سبوحٌ' قدوسٌ کی حمد وثنا کریں گے۔ ادھر آواز آئے گی اے سراپا خوبی و زیبائی' اپنے سر مبارک کو اٹھاؤ۔ کہو تمہاری بات سنی جائے گی' تم مانگتے جاؤ' ہم دیتے جائیں گے' تم شفاعت کرتے جاؤ' ہم شفاعت قبول فرماتے جائیں گے اس طرح شفاعتِ حبیب سے اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کا دروازہ کھلے گا''۔

تفسیر نمونہ ایران سے فارسی زبان میں طبع شدہ تفسیر ہے یہ تفسیر خیر سے اسلامی انقلاب کے بعد (غالباً) ایرانی حکومت کے زیرسایہ تحریر کی گئی ہے۔ اس تفسیر کو تحریر کرنے میں دس ''آیات اللہ'' نے حصہ لیا ہے۔ حیرانی ہوتی ہے اس ساری تفسیر میں کسی جگہ' اسلامی انقلاب لانے' یا اسلامی حکومت قائم کرنے کا اشارہ نہیں ملتا۔ ساری تفسیر مذہبی نقطۂ نگاہ سے تحریر کی گئی ہے' اس تفسیر میں تحریر ہے۔ ''زیر نظر آیات میں نماز' توجہ الی اللہ' عبادت خدا اور اس کے حضور تضرع وزاری کا ذکر ہے۔ یہ سب کچھ شرک کے مقابلے کے لئے موثر عامل ہے اور انسانی قلب وروح سے ہر قسم کے شیطانی وسوسے دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ نماز ہی ہے جو انسان کو خدا کی یاد دلاتی ہے۔ انسانی قلب وروح سے غبار گناہ کو صاف کرتی ہے اور شیطانی وسوسوں کو دور کرتی ہے۔ مقام محمود کے متعلق تحریر ہے۔ مفسرین میں مشہور ہے اور

ہم بھی پہلے کہہ چکے ہیں یہ آپ کے لئے مقام شفاعت کبریٰ ہے''۔ جلد 6' صفحہ 656

تدبیر قرآن میں تحریر ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تاکید ہے کہ مخالفین کی تمام مخالفتوں کے علی الرغم اپنے موقف حق پر جمے رہو' کتنا ہی زور لگائیں کہ تم قرآن میں اُن کے حسب منشا کچھ ترمیم کردو تو وہ تمہارے دوست اور ساتھی بن جائیں گے۔ لیکن تم کو ایک شوشہ کے برابر بھی اس میں ترمیم وتفسیر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ تمہاری مخالفت میں یہ زیادہ سے زیادہ جو کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ تم کو اتنا تنگ کریں کہ تم یہ شہر چھوڑنے پر مجبور ہو جاؤ۔ اگر ایسا ہوا تو پھر تمہارے بعد ان کو بھی اس شہر میں زیادہ ٹکنا نصیب نہ ہوگا۔ رسولوں کی ہجرت کے بعد ان قوموں کا جو حشر ہوا' وہ حشر ان کا بھی ہوگا۔ اس کے بعد حصولِ صبر واستقامت کے لئے نماز خصوصاً تہجد کی تاکید ہوئی۔ جلد 4' ص 526

اسی تفسیر میں تحریر ہے ''یہاں نماز کے اِس اہتمام کی تاکید' جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں' اس مشکل مرحلہ میں حصولِ صبر واستقامت کے لئے جو اس وقت حضور اور مسلمانوں کو درپیش تھا۔ راہِ حق میں جو سخت مراحل آزمائش کے پیش آئے ہیں ان میں حق پر استقامت' اللہ کی معیت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اللہ کی معیت کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ نماز بالخصوص تہجد کی نماز ہے''۔

اِس تفسیر میں مقام محمود کے لئے ارشاد ہے ''مطلب یہ ہے کہ آج تو تمہاری مخالفت' مذمت میں یہ شور وغوغا برپا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے' لیکن تم اپنے موقف پر ڈٹے رہو۔ نماز بالخصوص تہجد کا خاص اہتمام کرو اور یہ توقع رکھو کہ تمہارا رب تمہیں اس حال میں اٹھائے گا کہ ایک عظیم امت کی زبانوں پر تمہارے لئے ترانۂ حمد ہوگا اور عنداللہ بھی تمہاری مساعی محمود ومشکور ہوں گی''۔ جلد 4' ص 532

آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ تمام تفاسیر میں اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے نماز اور تہجد کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ کہ اگر حضور اور آپ کے ساتھی پابندی سے نماز پڑھتے ہیں' اور تہجد بھی ادا کرتے ہیں' تو اسلامی نظام قائم ہوجائے گا۔ تفاسیر کے مطابق بالکل یہی تعلیم حضرت موسیٰ کو دی گئی تھی 10:87 ۔ کہ اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے اپنے گھروں کو قبلہ رُو تعمیر کرو اور ان میں نمازیں پڑھتے رہو۔ لیکن غور کرنے کی بات یہی ہے کہ نماز کی پابندی اور تہجد کی ادائیگی سے اسلامی نظام کس طرح قائم ہوسکتا ہے۔ اس رسالہ کا مقصد خدانخواستہ نماز کی اہمیت کو کم کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد آیت کے صحیح منشا تک پہنچنا ہے جہاں تک مقام محمود کا تعلق ہے اس کے بارے میں بھی سب تفاسیر کا ایک ہی بیان ہے کہ مقام محمود سے مراد حضور کا شفاعت کرنا ہے' مقام محمود کا تعلق آخرت ہے اور اِس دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب آیت کا دینی مفہوم پیش خدمت عالی کیا جاتا ہے۔

مشرکین عرب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی۔ لیکن اِس کے باوجود حضور اور آپ کے ساتھیوں نے اپنا مشن جاری

رکھا اور حضورؐ کا اثر مکہ میں بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس پر مشرکین نے یہ سکیم تیار کی کہ حضورؐ کو اس سرزمین سے ہی باہر نکال دیں تاکہ ان کے نظریات کی توسیع بند ہو جائے۔ اس صورتِ حال کے دوران ارشاد ہوا کہ اگر انہوں نے تم کو یہاں سے نکال بھی دیا تو یہ بھی خوب جان لیں کہ اس کے بعد وہ بھی مکہ میں اسی حالت پر نہیں رہ سکتے۔ تم سے پیشتر بھی ہم نے جو رسول بھیجے ان کی ہجرت کے بعد بھی جو حشر ان قوموں کا ہوا' ان کا حشر بھی لازماً وہی ہوگا۔ اس بارے میں اللہ کی سنت جو شروع سے چلی آ رہی تھی وہ بدل نہیں سکتی۔ تم پر بھی اسی کا اطلاق ہوگا اور تم رسول اللہ کی ہجرت کے بعد تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

ایک طرف تو مشرکین عرب کو یہ تنبیہہ کی گئی اور ان کو ان کے انجام سے باخبر کیا گیا۔ دوسری طرف حضورؐ سے ارشاد ہوا کہ اپنے پروگرام کی تکمیل و توسیع کے لئے اب زیادہ محنت شاقہ درکار ہوگی۔ صلوٰۃ دین کا پورا نظام ہوتا ہے۔ اس کے قائم کرنے کے لئے سخت محنت و کوشش کرنے کی ہدایت کی گئی۔ کسی بھی نظام کو قائم کرنے کے لئے مشورہ کرنے کے لئے جمع ہونا ضروری بات ہے۔ ہماری نماز کے یہ اجتماعات اسی نظام کو قائم کرنے کے اجتماعات ہیں۔

جن میں نظام قائم کرنے کے لئے' مشاورت کی جاتی ہے۔ جس جگہ بھی قرآن کریم میں اقامتِ صلوٰۃ کا حکم آئے گا' اس کے یہ معنے ہوں گے کہ اس نظام کو قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ اِس جگہ ارشاد ہوا کہ اگر پہلے تھوڑا وقت دیتے تھے اب ہجرت کے بعد وہ مرحلہ آ گیا ہے کہ اب لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ (17:78)۔ اب تمہیں سورج نکلنے سے لے کر غروب ہونے تک' پورے کا پورا دن' اور دن کا ایک ایک منٹ' اسی نظام کو قائم کرنے میں لگانا ہوگا۔

قرآن پر غور و فکر کرنے کے لئے صبح اُٹھنے کی تاکید بھی اسی لئے کی گئی ہے کہ روزانہ صبح کو قرآن میں غور و فکر کر کے' اس دن کا لائحہ عمل طے کر لیا جائے کہ آج سارے دن میں اِس نظام کو قائم کرنے کے لئے کیا کیا امور سرانجام دینے ہیں۔ صبح صبح اُٹھو پھر آپس میں مشاورت کرو اور سارے وقت ان مشوروں پر عمل کرو۔ اسی کوشش میں باقی لوگوں کے لئے تو یہی حکم ہے کہ وہ سارا دن اِس پروگرام کی تکمیل کے لئے لگا دیں۔ لیکن حضور کے لئے اضافی حکم یہ تھا کہ اگر یہ اوقات کافی نہ ہوں تو آپ رات کے ایک حصہ میں اس قرآن پر غور و فکر کریں آیت میں فَتَهَجَّدْ بِهٖ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِس میں بِهٖ سے مراد قرآن کریم ہے کہ رات کو آپ قرآن پر غور و فکر فرما کر' اگلے روز کی سکیم Chalk out کر لیں' اور پھر اگلے روز سابقہ رات کے مقرر کردہ اہداف کو روبہ عمل لائیں۔ کیونکہ قرآن نے یہ فرمایا ہے اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا (73:7)۔ دن میں تمہیں بہت مصروفیت ہوتی ہے۔ جس لئے حضور کو حکم تھا کہ رات کو پروگرام بنائیں اور دن میں اِس کو Implement کریں۔

اِس ساری جدوجہد اور محنت شاقہ کا جو ثمر اور نتیجہ حاصل ہوگا قرآن نے اس کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ اسی کا نتیجہ یہ فرمایا کہ

عَسٰٓی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا (17:79) ۔ اور جب تم اس نظام کو قائم کر دو گے، تو اسی دنیا میں تمہیں وہ عالی مقام حاصل ہوگا کہ ہر شخص آپ کی تعریف کر رہا ہوگا کہ آپ نے ایسا انسانیت ساز نظام قائم کیا کہ جس سے بہتر کسی نظام کا تصور بھی نہیں آ سکتا۔ ساری دنیا آپ کی شان میں مدح، ستائش کے کلمات ادا کرتی رہے گی۔ یہ وہ مقام محمود ہے جو اِس دنیا میں حاصل ہوگا۔ اس مقام محمود کا کوئی تعلق نہ آخرت سے ہے، اور نہ شفاعت و روحانیت سے۔ یہ خالص اس دنیا سے متعلق ہے اور اسلامی نظام کے قیام کا نتیجہ اور اس کا ثمرہ۔ یہ ہے وہ مقام محمود جو قرآن نے حضور کو عطا فرمایا۔

آپ ایک ہزار سال کا نعتیہ کلام ملاحظہ فرمالیں۔ عربی، فارسی، اُردو میں نعتیہ کلام بڑی تعداد میں موجود ہے۔ لیکن اس نعتیہ کلام میں حضور کی اس مدح و ستائش کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ حالانکہ اصل مدح و ستائش ہے ہی یہ۔

آج دنیا جس کرب و بے چینی کی حالت سے گذر رہی ہے اس کا اصل سبب انسان کا دوسرے انسان پر حکومت کرنا ہے۔ اور ہم پاکستان والوں سے زیادہ اور کون اِس کا احساس کر سکتا ہے۔ ہر سیاسی پارٹی کا مطمحِ نگاہ حکومت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ مطمحِ نگاہ بڑا قبیح اور مذموم ہے کہ دوسروں پر حکومت کرو لیکن اِس دور کی سیاست میں اس بات کی مذمت نہیں کی جاتی بلکہ اس کو as granted ہی تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ جب ایک مرتبہ آپ نے یہ تسلیم کر لیا کہ اپنے لئے اقتدار حاصل کرنا۔ اور دوسروں کو اپنا محکوم بنانا۔ بری چیز نہیں ہے۔ تو پھر آپ کو اقتدار حاصل کرنے کے لئے، ہر حربہ کو جائز تسلیم کر کے، برداشت کرنا ہوگا۔

ہم مسلمان بطور ایک قوم کے مسلمان چلے آ رہے ہیں، ہم پیدائشی اور مردم شماری کے رجسٹر کے مسلمان ہیں جن کے نزدیک عبادت اللہ کی ہوتی ہے اور اطاعت انسانوں کی۔ قرآنی مسلمان ہونے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ قرآنی مسلمان تو صرف وہ ہے جو اسلامی نظام کے ماتحت زندگی بسر کرتا ہے اور اِس نظام میں عبادت اور اطاعت دونوں ایک ہی چیز ہوتی ہے، جو صرف قوانین خداوندی کی ہوتی ہے۔ مملکت ایک ایسا ادارہ ہوتی ہے جس میں کسی انسان کو قانون سازی کا اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر انسان اس میں قوانین خداوندی کی اطاعت کرتا ہے۔ جو حضرات اِس نظام کو چلانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ پہلے خود ان قوانین کی اطاعت کرتے ہیں اور پھر دوسروں سے اس کی اطاعت کراتے ہیں، اسی لئے اس نظام میں حاکم و محکوم کی کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ اس نظام میں کوئی شخص قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ نہ ہی کسی شخصیت کو کوئی Prevullage یا Immunity حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ اس نظام کی اطاعت اللہ کی عبادت ہوتی ہے، اِس لئے ہر شخص از خود قانون کی اطاعت سے آسودگی محسوس کرتا ہے۔ اِس نظام کے سربراہ کی ہر طرف سے حمد و ستائش ہوتی ہوتی ہے اگر یہ نظام کہیں جاری ہو جائے تو لوگ اس میں فوج در فوج داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اِس نظام میں ہر شخص کے رزق کی ذمہ داری خود اس نظام کے ذمہ ہوتی ہے۔ اگر یہ نظام کسی بستی میں بھی رزق پہنچانے کی ذمہ داری پوری نہیں کرتا، تو اس بستی

کے لوگوں کے لئے اس نظام کی اطاعت ضروری نہیں رہتی۔ نظام کا اصل اصول یہ ہے وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (46:19)۔ اس نظام میں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور پھر ہر ایک کے مدارج اس کے اعمال کے مطابق متعین ہوتے ہیں۔ اس نظام میں نہ کسی سے رعایت برتی جاتی ہے اور نہ کسی پر زیادتی کی جاتی ہے۔ بظاہر تو یہ صرف ایک اصول یا قانون ہے لیکن یہ ایک قانون ہی سارے معاشرے کی ہیئت بدل کے رکھ دیتا ہے۔ اگر کسی بھی معاشرہ میں اِس قانون پر پوری طرح عمل کرلیا جائے تو وہ معاشرہ جنتی معاشرہ بن جاتا ہے۔ اس میں سارا جاگیرداری نظام، اور سارا مترفین، مفت خوروں کا طبقہ ختم ہوجاتا ہے، جو اپنے باپ دادا اور آباء واجداد کی وجہ سے کرپشن اور بداعمالیاں کرتے پھرتے ہیں۔ اس میں سارے مفت خورے سیاست دانوں کا ٹولہ ختم ہوجاتا ہے۔ اس نظام میں فرقہ بندی، اور سیاسی پارٹیاں بالکل Ban ہوں گی۔ تمام مسلمان نظام کے تابع، اور نظام قانونِ خداوندی کے تابع۔

آپ اس نظام کو جاری کریں پھر دیکھیں کہ اس نظام کے باشندے اور ساری دنیا کس طرح اِس نظام کے لانے والے کی تعریف وتوصیف کرتی ہے۔ اور اسی کو قرآن نے مقام محمود کہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اسی نظام کو قائم کریں، تاکہ اس نظام کا ہر شہری چلتا پھرتا محسوس نعت ومدح سرا بن جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو بہت بلند تھا۔ نبوت ان پر ختم ہوگئی۔ اور یہ مقام بھی ان کی ذات مبارک کے ساتھ مخصوص تھا، لیکن چونکہ اسلامی نظام حضور کی ذات تک محدود نہیں تھا، اور آپ کے بعد تک جاری رہنا تھا، اس لئے اس نظام کے نتائج وثمرات اسی طرح برآمد ہوتے رہیں گے۔ اور دنیا اس نظام اور اس نظام کے سربراہ کی تعریف کرتے رہیں گے۔ اور اگر لوگ اس نظام کے سربراہ کو اس تعریف کے قابل نہ سمجھیں، تو سمجھ لیں کہ وہ شخص اس نظام کا سربراہ ہونے کے قابل ہی نہیں ہے۔

محمدؐ عربی کہ آبروئے ہر دوسرا ست
کسے کہ خاکِ درش نیست، خاک برسرِ او

عبداللہ ثانی (پشاور)

اقبال دشمنِ دنیا و دین

ایک ایسا عنوان جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ واقعی دنیا کے دشمن تو تھے ہی ساتھ دین کے بھی دشمن تھے۔ علامہ مرحوم کے متعلق آج تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے آئندہ بھی لکھا جائے گا اور یہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ لیکن ایک ایسے عنوان پر علامہ اقبال مرحوم کے متعلق بیم ورجا کی کیفیت پیدا کرنا صرف اور صرف محترم جناب محمد علی صابر صدیقی کا ہی کام ہوسکتا ہے۔ موصوف اس وقت پچانوے سال کے ہیں۔ شاید ہی کوئی مرض ہو جس نے آپ کے ہاں بسیرا نہ کیا ہو۔ خود ہومیو پیتھک کے بہترین معالج ہیں اس لئے اپنا علاج عام طور پر خود ہی کرتے ہیں۔ تقریباً دو مرلے کے مکان میں انتہائی گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے ہیں۔ نحیف ونزار، نظر سے معذور لیکن ذہنی سطح کی بلندی قابل رشک۔ کئی بار اپنی صاف دلی کی وجہ سے عام لوگوں سے بھی دھوکہ کھا گئے ہیں اس کے باوجود انسانی ہمدردی سے باز نہیں آتے۔ فارسی پر آپ کو جو دسترس حاصل ہے شاید ہی فارسی میں اُن کا کوئی ہمدوش ہو۔ آپ کی سب سے پہلی کتاب ''ابلہ مسجد'' تھی۔ جس کی پذیرائی نے اُنہیں دوسری کتاب ''کن فیکون'' لکھنے کا موقع دیا۔ کسی کتاب کا عنوان کوئی اُن سے سیکھے۔ کن فیکون کے متعلق بڑے بڑے علماء (یاد رہے) علماء کی اصطلاح عام طور پر مذہبی علم رکھنے والوں کے لئے استعمال ہوتی ہے جو قرآن کریم کی اصطلاح کے یک سر خلاف ہے۔ قرآن کریم نے کائنات کا علم رکھنے والوں کو علماء کہا ہے۔ جبکہ ہمارے نام نہاد علماء ابھی چاند کے طلوع ہونے کی خبر دینے تک محدود ہیں چاند کی منازل کا علم رکھنا تو بہت دور کی بات ہے) کا یہ خیال ہے کہ خدا جب کسی بھی کام کو پورا کرنے کے لئے 'کن' کہہ دیتا ہے تو وہ کام آنکھ جھپکنے سے پہلے ''فیکون'' کا جامہ پہن لیتا ہے۔ کن فیکون کو جس انداز سے صدیقی صاحب نے واضح کیا ہے اس کو ہر شخص سمجھنے سے قاصر ہے جب تک اُس کے ہاں کائناتی علم کی شد بد نہ ہو۔ اب یہ کتاب نایاب اس لئے ہے کہ فزکس کا علم رکھنے والوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ راقم ایک مجلس میں بیٹھا کسی اور موضوع پر بات کر رہا تھا کہ ایک صحافی نے راقم کو کان میں کہا کہ ''ثانی صاحب کن فیکون کی کتاب کہیں سے مل جائے گی'' راقم نے اگلے دن صدیقی صاحب سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اُن کے اپنے ریکارڈ کے لئے بھی نہیں ہے۔ موصوف کی تیسری کتاب سلطنت عثمانیہ کے ایک ایسے ستون کے نام سے منسوب ہے جس کا نام ''بایذید یلدرم'' ہے۔ اگرچہ اسے افسانوی انداز دیا گیا ہے لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بایذید یلدرم کے ساتھ موصوف کی ملاقات ہوئی ہو۔ تاریخ کے حقائق کو جس انداز سے صدیقی صاحب نے پیش کیا ہے شاید ہی کوئی پیش کر سکے۔

راقم کو اکثر و بیشتر کسی فارسی شعر یا ادب سے اگر رہنمائی حاصل کرنا پڑی تو ہمیشہ موصوف کے سامنے زانو سے تلامذہ دوہرے کرنا پڑے۔ اُن سے بہت کچھ سیکھا اور اب بھی تشنگی ہے کہ کچھ نہ سیکھا۔ ہمارے ہاں کسی بیمار کی عیادت کے لئے کوئی جائے تو ادب سے قدرے واقف بیمار زیادہ سے زیادہ یہ شعر گنگنانے لگتا ہے کہ ؎

اُن کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

یہاں صدیقی صاحب کی بیمار پرسی کے لئے گیا تو انہوں نے فارسی کے دو اشعار کچھ اس انداز سے پڑھے کہ جیسے موصوف ''آہو'' ہوں اور راقم شکاری۔ فرمایا۔ ؎

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس از آں کہ من نہ مانم بہ چہ کار خواہی آمد
ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بہ امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

مفہوم تو راقم سمجھ گیا لیکن انہوں نے اسے جس انداز سے واضح کیا تو راقم کو احساس ہوا کہ بیمار پرسی کا حق ادا ہو گیا۔ ترجمہ میں عام طور پر وہ ''چس'' نہیں ہوتا جو ''نص'' میں ہوتا ہے۔ بہرحال:۔

میری جان لبوں تک آ پہنچی ہے۔ آ جاؤ جب تک زندہ ہوں
پس جب میں اس دنیا میں نہیں ہوں گا۔ پھر تمہارا آنا کس کام کا ہوگا
صحرا کے تمام ہرنوں نے اپنے سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہیں
اس امید سے کہ کسی دن تم شکار کرنے آؤ گے۔ (یعنی خود کو شکار کیا ہوا ہے)

آمدم برسرِ مطلب:۔ اُن کی چوتھی کتاب ''اقبال دشمنِ دنیا و دین'' ہے۔ اس کتاب کو اُنہوں نے مقدمے کا رنگ دیا ہوا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اگرچہ پیشے کے لحاظ سے راقم وکیل ہے۔ لیکن جس خوبصورتی سے اس کتاب میں موصوف نے اقبالؒ پر کئے گئے الزام کو غلط ثابت کیا ہے شاید ہی کوئی بڑے سے بڑا وکیل بھی مقدمے کو اس انداز سے پیش کر سکے۔ موصوف کا تعلق تمام عمر تعلیم و تعلم سے رہا ہے۔ لیکن عدالتی ماحول۔ عوام کی موجودگی۔ صحافیوں کی حاضری نے اس فرضی مقدمے کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ تمام کردار اسم بامسمیٰ ہیں۔ جس کردار نے علامہ اقبال پر دشمنِ دنیا و دین کا الزام لگایا ہے۔ اُس کا اسم گرامی ''ملامنقولی'' ہے۔ یہ ایک ایسا کردار ہے جس کے پاس اپنا کوئی علم۔ فہم۔ ادراک یا ذہن نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ اس نے پڑھا ہے وہ نقل کر کے آگے بیان کر دیتا ہے۔ اس لئے اس کردار کا نام ملامنقولی رکھا گیا ہے۔ بڑا ہی اہم کردار ہے۔ آج کے زمانے اور ماحول کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ آج معاشرہ جن کفر سازی کی فیکٹریوں سے تازہ مال کی آمد سے گزر رہا ہے۔ ملامنقولی اس کا ترجمان ہے۔ مقدمے کی کارروائی اٹھارہ دن جاری رہتی ہے۔ مقدمے کی اگلی تاریخ پیشی سے پہلے علامہ اقبال کی تصویر کے نیچے فارسی اشعار میں اُس دن کی کاروائی کی غمازی موجود ہوتی ہے۔ فارسی اشعار کا ترجمہ ساتھ موجود ہے اگرچہ کئی مقامات پر ترجمہ رہ گیا ہے۔ عدالت کی صدارت یعنی چیف جسٹس اجماعیل القاہر کرتے ہیں۔ اُن کے دائیں طرف سینئر جسٹس انفس حکیم اور جونیئر جسٹس بائیں طرف جسٹس آفاق علیم براجمان ہیں۔ تینوں کے ناموں سے ان کی مختلف علوم میں علمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ چوتھی جج صاحبہ جسٹس مِس فصاحت بلیغ الدین صاحبہ تشریف فرما ہیں۔ آگے چل کر موصوفہ نے خواتین کی نمائندگی اور دین کی فصاحت کے حوالے سے جو کچھ کہا ہے وہ قابل مطالعہ اور قابل غور ہے۔ مسٹر جسٹس مجتہد

الاسلام مفتی بھی یکے از جج صاحبان ہیں۔ عام اصطلاح میں اسے لارجر بینچ کہا جاتا ہے۔ مدعیان (جنہوں نے دعویٰ کیا ہے) کی وکالت بیرسٹر دانشمند سودائی کرتے ہیں۔ جن کی اعانت کے لئے مولانا سیف الاسلام سلفی المعروف برمُلّا منقولی اپنی لائبریری کے ساتھ میز کرسی لگائے بیٹھے ہیں۔ آپ ان حضرات کے ناموں سے ان کی ذہنی کیفیت اور علمی صلاحیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ کتنے لمبے چوڑے نام لیکن مبلغ علم کی موجودگی مقدمے میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ دعویٰ کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

''ڈاکٹر سر محمد اقبال جن کو کچھ ناسمجھ لوگ مجتہد العصر' شاعر مشرق۔ حکیم الامت' ترجمان حقیقت' مجدد عصر اور نہ جانے کن کن القابات سے نوازتے ہیں۔ دراصل وہ ایک سر پھرے دشمنِ دنیا و دین وشاعر تھے۔ جنہوں نے اپنی شاعری کے سحر سے اسلام کی دوسرے مذاہب پر برتری کا راگ الاپ کر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان نفاق کا ایسا بیج بویا جو ہندوستان جیسے عظیم ملک کو دولخت کرنے پر منتج ہوا اور مسلمانوں کے اس جنونی عمل سے متحدہ ہندوستان کے عوام ان بے شمار برکات سے محروم ہو گئے جو ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہیں''

یہ ہے وہ الزام جو اس مقدمہ میں علامہ اقبال پر لگایا گیا۔ موصوف نے جس خوبصورتی سے اس الزام کو غلط ثابت کیا ہے اس کا جواب نہیں۔ صدیقی صاحب۔ دیگر ہزاروں قرآنی فہم رکھنے والوں کی طرح علامہ غلام احمد پرویز مرحوم سے اچھے خاصے متاثر رہے ہیں۔ صدیقی صاحب نے اپنے مقدمہ میں ان کا قرآن فہمی کے حوالے سے بہت خوبصورت انداز میں ذکر کیا ہے۔

راقم نے کتاب ہذا کئی جسٹس صاحبان کو برائے مطالعہ ارسال کی ہے۔ ہمارے ہاں ایک عرصہ سے ایسی خاموش مہم چلائی گئی ہے جس سے صاحب ادراک حضرات گوشہ نشین ہو گئے ہیں اور وہ لوگ جو وزیر ہونے کے باوجود وزیر کے معانی سے نا آشنا ہیں بام عروج پر پہنچ گئے ہیں۔ ابھی کل ہی کی بات ہے ایک وزیر موصوف الیکٹرانک میڈیا پر سونامی کو بار بار سونامی پڑھ رہے تھے۔ راقم نے ایک ایسے صدر مملکت کو ''بنیان مرصوص'' کو ''بنیان'' پڑھتے سنا۔ ان حالات میں یہ سوچنا کہ ملک علم کی بنیاد پر ترقی کرے گا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ کتاب زیر موضوع میں فرقہ بندی اور فرقہ پرستی پر بڑی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ پڑھنے کی کتاب ہے۔ اگرچہ راقم کو ایسی کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ ہمارے ہاں کتاب پڑھنے کا رجحان بھی ختم ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ زندہ قومیں زندہ لوگوں کی عزت افزائی اور پذیرائی کرتی ہیں جبکہ مردہ قومیں مُردوں اور قبروں کی عرقِ گلاب سے دھلائی میں لگی رہتی ہیں۔ قیمتی' گرم اور ٹھنڈی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ جبکہ غربت کی وجہ سے سینکڑوں گھرانوں میں بچوں کی موت سردی سے واقع ہوتی ہے۔ اربوں روپوں کی قربانی کی الائشیں بدبو اور بیماریوں کی نذر ہو جاتی ہیں۔ اتنا عرض علامہ مرحوم کے اس شعر پر ختم کر کے کرتا ہوں کہ۔

مغرب ز تو بیگانہ مشرق ہمہ افسانہ
وقت است کہ در عالم نقش دگر انگیزی

اور بس!

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

غلام باری (مانچسٹر)

انجیل اور قرآن میں تاریخی شہادت

انجیل (New Testament) میں ہے یہودیوں نے کئی بار جان بوجھ کر یہوواہ کے خلاف بغاوت کی۔ اس لئے یسوع مسیح نے انہیں آگاہ کیا کہ یروشلم اور اس میں موجودہ ہیکل کو تباہ کیا جائے گا اور وہ دوبارہ کبھی تعمیر نہیں ہوگا۔ مگر یسوع نے کوئی تاریخ نہیں بتائی۔ اس کے برعکس یسوع نے اپنے شاگردوں کو کچھ نشانیاں بتائیں جس سے وہ تباہی کے وقت کو پہچان سکیں گے۔ ان نشانیوں کو دیکھ کر شاگرد اپنی زندگی کو بچا پائیں گے۔

یہ نشانیاں کیا ہیں؟ یسوع نے کہا' جب تم یروشلم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو تو جان لینا کہ اس کا اُجڑ جانا نزدیک ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر فوراً پہاڑوں پر بھاگ جائیں اور اپنے مال واسباب کو بچانے کے لئے واپس نہ جائیں۔ اگر وہ یروشلم میں رہے تو اُن کی زندگی خطرے میں ہوگی۔۔۔ لوقا 21:20' 21: متی 24:15' 16۔

حضرت عیسیٰؑ کی وفات سے چند دہائیوں بعد (Several decades after Jesus' death- Jehovah's Witnessess, Watchtower-October 1, 2012) دن بدن یہودیوں اور رومی حکومت کے بیچ نفرت کی آگ بڑھتی گئی۔ آخر کار 66 س۔ع میں' سیٹیئس گیلس کی قیادت میں رومی سپاہیوں نے یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے ہیکل کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ شہر میں جگہ جگہ افراتفری پھیل گئی۔ یسوع کے شاگردوں کو اس کی بات یاد آئی۔ وہ سمجھ گئے کی تباہی سر پر کھڑی ہے۔ رومی فوج نے یروشلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تو پھر یسوع کے شاگرد کس طرح بچ پائے؟ اچانک' سیٹیئس گیلس نے اپنی فوجوں کو اکٹھا کیا اور یروشلم چھوڑ کر چلا گیا۔۔ کچھ جنونی یہودی اس کا پیچھا کرنے لگے۔ مگر یہ دیکھ کر یسوع کے شاگرد یروشلم اور یہودیہ کے پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلے جیسے یسوع مسیح نے اُنہیں کہا تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد وسپاسین اور اُس کے بیٹے ٹائٹس نے یروشلم پر حملہ کر دیا اور پورا ملک جنگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ رومیوں نے 70 س۔ع۔ میں یروشلم کے گرد مورچہ باندھ کر اُسے گھیر لیا۔ بھاگنے کے تمام راستے بند کر دیئے گئے۔ (لوقا 19:23' 44)۔ شہر کے اندر یہودی فرقوں نے بھی ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جو اس قتل عام سے بچے تو وہ رومی فوجوں کے ہاتھوں قتل ہوئے یا پھر انہیں حراست میں لے لیا گیا۔ شہر اور اُس کی ہیکل کو اینٹ سے اینٹ بجا کر مکمل طور پر تباہ برباد کر دیا گیا۔ یہ پیشنگوئی تقریباً 40 سال پہلے یسوع نے اپنے شاگردوں کے سامنے کی تھی کہ شہر یروشلم کی تباہی ہوگی اور ہیکل کی

دوبارہ کبھی تعمیر نہیں ہوگی۔ آپ کی یہ بات بالکل سچ ثابت ہوئی۔

سورۃ بنی اسرائیل (جسے عرب ممالک میں الاسراء کہا جاتا ہے اور اس لفظ کو حضرت موسیٰؑ اور اُن کی قوم کے ہجرت کے سلسلہ میں رات کے سفر کے لئے استعمال کیا گیا ہے (26/52)۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا (17:4)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو تورات میں یہ بھی بتا دیا تھا کہ (تم فرعون کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کے بعد قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کرو گے اور) ملک میں دو مرتبہ بڑی تباہی مچاؤ گے اور شدید سرکشی اختیار کرو گے۔ (اس کا نتیجہ خود تمہارے لئے تباہی اور بربادی ہوگا)۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (17:5)

چنانچہ جب ان دو مواقع میں سے (چھٹی صدی (599) قبل مسیح میں بابل کے شہنشاہ بخت نصر کے حملہ کے وقت) پہلا موقع آیا تو (اے بنی اسرائیل!) ہم نے تمہارے خلاف ایسے لوگ اُٹھا کھڑے کئے جو بڑے طاقتور اور سخت گیر تھے۔ وہ تمہاری بستیوں کے اندر جا گھسے اور اُنہوں نے تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑا۔ اور خدا کے قانون مکافات نے جو کچھ کہا تھا وہ یوں پورا ہو کر رہا۔ تمثیلی انداز میں سورۃ البقرہ کی آیت 259 میں بھی اس پہلی تباہی کا ذکر ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا (17:6)

(تم نے اس سے عبرت پکڑی تو) ہم نے حالات کو اِس طرح پلٹا دیا کہ فضا تمہارے لئے سازگار اور تمہارے دشمنوں کے خلاف ہوگئی (سو سال بعد ایران کے نیک دِل بادشاہ ذوالقرنین نے بابلیوں کو شکست دی اور تمہیں پھر سے ملک میں آباد کرا دیا) اس طرح ہم نے مال و دولت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت سے تمہاری مدد کی اور بارِ دیگر تمہارا جتھہ بہت بھاری ہوگیا۔ تم پھر ایک عظیم قوم بن گئے۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا (17:7)

اس طرح، تم نے دیکھ لیا کہ جب تم نے، قوانین خداوندی کے مطابق، حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کی تو تمہاری حالت کس قدر خوشگوار ہوگئی۔ اور جب تم نے اس کے خلاف ناہمواریوں کی راہ اختیار کر لی، تو اُس کا وبال بھی تمہارے اپنے ہی اوپر پڑا۔ (فطرت کی طرف سے انہیں باز آفرینی کا موقع دیا گیا جب ان میں حضرت عیسیٰؑ جیسے جلیل القدر رسول مبعوث ہوئے لیکن انہوں نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ دنیا پر روشن ہے۔ اس اتمام حجت کے بعد ان کی تباہی کا آخری وقت آ گیا۔ (یہ ہے ہمارا قانونِ مکافاتِ عمل)۔

پھر جب دوسرا موقع آیا (تو 70ء میں ہم نے، رومیوں کے گورنر طیطوس (ٹائٹس) کی زیر سرکردگی، رومیوں کو تمہارے خلاف اٹھا

کھڑا کیا) تاکہ وہ تمہیں ذلیل وخوار کریں' اور مسجد (سلیمانی ہیکل) میں اس طرح جا گھسیں جس طرح پہلی مرتبہ (بابلی) وہاں جا گھسے تھے۔ اور جو کچھ اُن کے قابو میں آئے اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے' ویران کر دیں۔ (اس وار سے اس قوم پر اجتماعی ہلاکت کی مہر ثبت ہوگئی)۔

عرب میں اہل کتاب میں سے یہودیوں کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔ وہاں کی معیشت ان کے ہاتھ میں تھی۔ اور مدینہ میں بالخصوص انہیں بڑی قوت حاصل تھی۔ قریش کے علاوہ یہ بھی اسلامی نظام کے سخت مخالف تھے۔ کیونکہ اس سے ان کا نظام سرمایہ داری ورہم برہم ہوجاتا تھا۔ ان کے زمانۂ عروج میں' یروشلم (بیت القدس) ان کا دارالسلطنت تھا۔ ظہورِ اسلام کے وقت ان کی سلطنت تو باقی نہیں تھی لیکن یروشلم بدستور ان کی عقیدتمندیوں کا مرکز تھا۔ عیسائیوں کو یہودیوں سے سخت عداوت تھی۔ اس لئے کہ (ان کے عقیدہ کی رُو سے) یہودیوں نے ان کے نبی (بلکہ خدا کے بیٹے) کو صلیب پر لٹکایا تھا۔ جب یروشلم عیسائیوں کے قبضہ میں آیا تو انہوں نے اس میں یہودیوں کے مقدس مقامات (بالخصوص ہیکل سلیمانی) کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اور ان کے کھنڈرات ان کے دورِ عروج کی مرثیہ خوانی کے لئے باقی رہ گئے۔ اور وہ بھی اس شکل میں کہ عیسائی وہاں کوڑا کرکٹ پھینکا کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود بیت المقدس بدستور یہودیوں کی عقیدت کا (نظری) مرکز تھا۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ ایک آنے والا آئے گا اور عیسائیوں کو وہاں سے نکال کر بیت المقدس کو پھر سے اس کا حقیقی (بلند) مقام عطا کر دے گا۔ اس لئے وہ ہر طریقہ سے اس مقام کی تقدیس' عظمت اور اہمیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔

اسلام نے جب انبیائے بنی اسرائیل کی نبوت کی تصدیق اور احترام کو جزوِ ایمان قرار دیا تو یہود کو خیال ہوا کہ مسلمان بیت المقدس کو اپنی عقیدت کا مرکز (قبلہ) قرار دیں گے بالخصوص اس لئے کہ کعبہ بت کدہ بن چکا تھا اور توحید پرست' ایک بتکدہ کو اپنی عقیدت کا مرکز کبھی نہیں بنا سکتے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں نے کعبہ ہی کو اپنا قبلہ قرار دیا (حالانکہ وہ اس وقت قریش کے قبضہ میں تھا) تو ان کا یہ فیصلہ اُن پر شاق گزرا۔

چنانچہ انہوں نے جھٹ سے اعتراض کر دیا کہ (یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی) کہ انہوں نے' بیت المقدس جیسے مقدس اور متبرک مقام کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ کیسے قرار دے لیا۔ یہودیوں نے دین کو نسلی بنا دیا تھا' اس لئے بیت المقدس ان کا قومی مرکز بن کر رہ گیا تھا۔ اور اسلام' عالمگیر انسانیت کا دین تھا اس لئے اس کے مرکز کو نسلی' قومی' جغرافیائی نسبتوں سے ماوراء ہونا چاہئے تھا۔ یہ تھی کعبہ کو قبلہ قرار دینے کی حقیقی وجہ' لیکن یہ بات نسل پرست یہودیوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ اس لئے انہوں نے یہ اعتراض کر دیا کہ **مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا** ..... (2:142) مسلمانوں نے کس وجہ سے اُس قبلہ سے رُوگردانی اختیار کی جس پر وہ (یہود) ہیں۔۔ یعنی یہودیوں کے قبلے سے۔ اس سے اگلی آیت میں ہے **وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ** ..... (2:143) جو قبلہ (ابراہیمؑ کے

ہاتھوں) ہم نے بنایا تھا (اے رسول ﷺ) تو اُسی پر ہے۔ تو نے اُسی کو اختیار کیا ہے۔ کعبہ کو قبلہ قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ جس نظریۂ حیات کی علامت (SYMBOL) ہے، وہ (نظریہ) ہر وقت نگاہوں کے سامنے رہے (نماز میں منہ طرف قبلہ تو ایک محسوس مظاہرہ ہے۔ اس سے مقصد اپنی توجہ کو دین کے مرکز کعبہ پر مذکور کرنا ہے) تاکہ اس کی اہمیت اور عظمت دِلوں میں جاگزین رہے اس لئے ..... فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ..... (2:144) تم اپنی توجہ کو مسجدِ الحرام کی طرف مرکوز رکھو اور اپنی جماعت کے افراد سے کہہ دو کہ تم خواہ دنیا کے کسی گوشے میں ہو اور زندگی کے کسی شعبہ میں مصروفِ تگ وتاز ہو، تمہاری نگاہوں سے یہ مقصد اوجھل نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے تمہاری جماعت میں یک نگہی اور ہم آہنگی پختہ تر ہوتی جائے گی۔

70 عیسوی سے لے کر 637 عیسوی تک فلسطین رومیوں، عیسائیوں کے قبضہ میں رہا۔ ان کے دورِ حکومت میں یہودیوں کا داخلہ یروشلم میں ممنوع تھا۔ اور ان کا کوئی معبد وہاں باقی نہیں تھا۔ ہیکل سلیمانی جسے بیت المقدس کہا جاتا ہے کی جگہ کھنڈر تھا سوائے ہیکل کی دیوار کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے۔ 637 عیسوی میں حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں یہ علاقہ فتح ہوا تھا مسلمانوں نے یہودیوں کو یروشلم میں داخلہ کی اجازت دی تھی اور یہ ہر سال ہیکل کی اُس بقیہ دیوار (دیوارِ گریہ) کے پہلو میں جا کر دوبارہ ملک حاصل کرنے کی آس لگائے گریہ زاری کر کے رویا کرتے تھے۔ ہم مسلمانوں میں دوبارہ قیام دین کے لئے مہدی اور عیسیٰؑ کی آمد کے عقیدہ کی طرح، ان کے عقیدہ کے مطابق بھی وہ آنے والا تو نہ آیا لیکن انہوں نے فلسطینی مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے، برطانیہ وامریکہ کے ساتھ عہد وپیماں سے (حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ 3:112) 1878 سال بعد ملک حاصل کر لیا۔ موجودہ مسجد اقصیٰ عبدالمالک مروان نے تعمیر کروائی تھی۔ ان تاریخی شواہد کے باوجود اسرائیلیوں کا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں نے بیت المقدس گرا کر اُس کی جگہ یہ مسجد اقصیٰ بنائی تھی۔ قرآن کے متوازی ہماری مذہبی کتب بخاری وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کے نام سے منسوب وضعی روایات کو صحیح ثابت رکھنے کی خاطر سب سے پہلی تفسیر طبری کے اتباع میں قرآن کے تراجم سے مسلمانوں کی اندھی عقیدت اسرائیلیوں کے اس دعویٰ کو غلط ثابت نہیں کر سکتی۔ واقعاتِ معراج کے سلسلہ میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے پیغامبر ﷺ کا پہلا پڑاؤ مسجدِ سلیمانی (بیت المقدس) تھا جس میں اُنہوں نے نماز کے لئے تمام نبیوںؑ کی امامت کی تھی۔ کیا بخاری کی روایات کے مطابق آپ اسے مانتے نہیں؟۔ آپ لوگ ہمارا شکریہ ادا کریں کیونکہ ہمارے پیغامبر موسیٰؑ تمہارے لئے پچاس نمازوں کے حکم کو بدلوا کر خدا کو پانچ پر راضی کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

قرآن میں مَا، جو۔ جس۔ جو کچھ۔ نہیں اور تعجب کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور کَانَ، کا مادہ ک ون ہے اور یہ، ہے۔ ہو گا۔ ہو گیا کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ وَلِّی کا مادہ ول ی اور یہ دوست۔ مددگار کے علاوہ متضاد معانی میں آیا ہے۔ مثلاً کسی کی طرف

رخ کرنا 2:115۔ روگردانی کرنا 2:142۔ رعایا کا والی یعنی حاکم بن جانا 2:205۔ گریز کرنا 75:32۔ غلبہ واقتدار 18:45۔

قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ سے کہلوایا کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (18:110)۔ میری تو یہ کیفیت ہے کہ مَیں تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں' فرق صرف اتنا ہے کہ میری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ تمہارے لئے صاحبِ اقتدار واختیار صرف خدا کی ذات ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ سو جو کوئی تم میں سے خدا کے قانون مکافات کا سامنا کرنے کی امید رکھتا ہے' اسے چاہئے کہ ایسے کام کرے جو نظامِ عالم کو سنواریں اور خود اس کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کا ذریعہ بن جائیں۔ اور سب سے بڑی اور بنیادی بات یہ کہ اطاعت اور محکومیت صرف اپنے نشوونما دینے والے کے قوانین کی اختیار کرے۔ اس میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔

سورۃ الانبیآء میں وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَاۗىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (21:34) تجھ سے پہلے بھی ہم نے کوئی انسان ایسا نہیں بنایا جو ہمیشہ کے لئے زندہ رہا ہو۔ نہ ہی تیرے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ پھر اگر تیرے لئے ایک دن مرنا ہے' تو یہ کون سے ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بھی مثل آدم (بشر) تھی اور وہ خدا کے پیغامبروں میں سے تھے۔ قرآن کریم کی واضح تعلیم کے علی الرغم ہمارے عقیدہ کے مطابق مسیحؑ کو آسمان پر زندہ رہنے کی استثناء کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟۔ سوچئے! خدا کا قانون تو کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔ عالم خلق میں کسی کے لئے وہ اپنے قانون میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا نہیں کرتا ہے۔ اور نہ کوئی دوسرا قوانین خداوندی کو بدل سکتا ہے۔

اَلْوَفَاءُ ۔ اَلْوَفَاۃُ دونوں الفاظ کا ایک ہی مادہ ہے (وف ی)۔ اور اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں پورا کرنا۔ مثلاً وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ (9:111)۔ اللہ سے بڑھ کر' اپنے عہد کو پورا کرنے والا کوئی نہیں۔ وفات یعنی موت کا مطلب ہے دنیا میں زندگی کے دن پورے کرلینا' زندگی کے دن پورے کردینا۔ مثلاً تُوَفَّاهُ اللّٰهُ ۔ خدا نے اسے وفات دے دی۔ خدا نے اس کی زندگی کے دن پورے کر دیئے۔

مُتَوَفِّ ۔ کے معنی ہیں وفات دینے والا۔ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ (3:55) اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے کہتے ہیں کہ یہ (مخالفین) اس قسم کی تدبیریں کررہے ہیں کہ تجھے گرفتار کرکے سولی پر لٹکا دیں۔ لیکن اس کے خلاف ہم بھی ایک تدبیر کررہے ہیں۔ اور ہماری تدبیران کی تدبیروں سے یقیناً بہتر ہے۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (3:54) میری (یعنی اللہ کی) تدبیر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ تمہیں نہ گرفتار کرسکیں گے نہ صلیب دے سکیں گے۔ بلکہ تم اپنی طبعی موت مروگے۔ (اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ) یہ لوگ تمہیں صلیب دے کر دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ تم (معاذ اللہ) بے توقیر موت مرے۔ ہم تیرے مدارج کو بلند کریں گے (وَرَافِعُكَ اِلَيَّ) اللہ نے عیسیٰؑ اور مریمؑ دونوں کو مخالفین کی دسترس سے محفوظ رکھ کر مرتفع مقام میں پناہ دی (23:50) سورہ مائدہ میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ وہ کہیں گے

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ جب تو نے مجھے وفات دے دی (5:117) سب مذہبی پیشواؤں نے ان الفاظ کا ترجمہ ایک دوسرے کی نقل میں، جب تو نے مجھے قبض کرلیا۔ جب تو نے مجھے اُٹھالیا۔ when you tookest me or took me up کیا ہوا ہے۔ ان ظالمین نے وفات کیوں نہیں لکھا؟ یہ اس لئے کہ ان کی معاشی مفاد پرستی انہیں قرآن کریم کی طرف آنے نہیں دیتی۔ اِنہوں نے اسی لئے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر زندہ بٹھا رکھا ہے۔ اور عقیدہ یہ وضع کیا ہوا ہے کہ وہ اور مہدی قربِ قیامت آئیں گے اور دوبارہ دین قائم کریں گے۔ دراصل یہ خود اللہ کو عملی طور پر الٰہ (صاحبِ اقتدار واختیار) نہیں بنانا چاہتے۔ یہ لوگ جانتے ہیں اگر کہیں اللہ کا دین قائم ہوگیا تو فرقہ پرستی اور انسانوں کی حکومت دونوں کا شرک۔ دین کے راستے میں پتھروں کی طرح روک بن کر دوسروں کی کمائی پر تن آسودگی اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے والے جاگیردار، سرمایہ دار اور ان کے ساتھی مذہبی پیشوا جن کا ذریعہ معاش صرف دین کی تکذیب اور مداہنت ہے، سب ختم ہوجائیں گے۔ انہیں لقاءِ رب کا احساس ہی نہیں یومِ قیامت عذاب چکھنے سے ان کے چہرے جھلس جائیں گے (39:24)۔

محترم خریداران مجلّہ طلوع اسلام

خصوصی توجہ فرمائیں

جن کھاتہ داران نے اپنے کھاتوں سے مجلّہ طلوع اسلام جاری کروایا ہوا ہے ان سے گذارش ہے کہ آپ اپنی فہرست خریداران 15 دسمبر 2012ء تک ادارہ طلوع اسلام کو بھجوادیں اور جن کو میگزین سال 2013ء کے لئے جاری رکھنا مقصود ہو یا جن کے میگزین بند کرنے ہوں، مکمل فہرست، ایڈریس کے ساتھ بھجوادیں تاکہ بروقت عمل درآمد ہوسکے۔ شمارہ کی اشاعت میں اضافہ آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر بیرون ملک یا اندرون ملک کی بز میں مزید تعاون کریں تو اس تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکتا ہے امید ہے کہ بز میں اس مسئلہ پر تعاون کریں گی۔

کھاتہ داران جن کے ذمے طلوع اسلام کی رقم بقایا ہے ان کو ان کے کھاتوں کی تفصیل بھجوائی جارہی ہے تاہم اگر کسی وجہ سے یہ ان تک نہ بھی پہنچے تو بھی تمام کھاتہ داران سے التماس ہے کہ وہ اپنے کھاتوں میں معقول رقم جمع کرانے کا اہتمام کریں تاکہ واجب الادا رقوم کی وجہ سے ادارہ مالی پریشانیوں کا شکار نہ ہو۔

بینک اکاؤنٹ کے لئے ضروری وضاحت

1- بینک کا اکاؤنٹ نمبر 3082-7

2- بینک کا نام نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ برانچ گلبرگ، لاہور (پاکستان)۔

3- نام اکاؤنٹ ادارہ طلوع اسلام

شکریہ

بچوں کے لیے اسلامی اور معلوماتی کہانی

عارف محمود کسانہ سویڈن
E.Mail: Arifkisana@gmail.com

اللہ تعالیٰ کے بارے قرآن مجید کا بیان

ایشال اپنے امی ابو اور چچا زاد بہن بھائیوں کے ساتھ دریا کے کنارے پکنک منانے آئی ہوئی تھی۔ سب بچے بہت خوش تھے۔ انہوں نے وہاں خوب مزا کیا اور کھیل کود بھی کی۔ دریا میں کشتی کی سیر سے تو بچے اور بھی لطف اندوز ہوئے۔ موسم بھی بہت خوشگوار تھا اس لیے بعد میں انہوں نے دریا کے کنارے بنے ہوئے پارک میں بیٹھ کر چاٹ، دہی بھلے، سموسے اور مزے کی دوسری چیزیں کھائیں۔ بچے وہاں اور رہنا چاہتے تھے مگر شام ہونے سے پہلے گھر پہنچنا تھا اس لیے واپسی کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ گھر آ کر بچے اپنے کمرے میں بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ایشال دوسرے بچوں کو وہ باتیں بتانے لگی جو اُس کی امی نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اُسے بتائی تھیں۔ بچے بہت دلچسپی سے سُن رہے تھے۔ ایشال نے یہ بھی بتایا کہ اُس کی امی نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اُس کے ذہن میں آنے والے بہت سے سوالوں کے جوابات بھی دیے تھے جس سے وہ بہت مطمئن ہوگئی تھی۔ بچے ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایشال کی امی بھی کمرے میں آ گئیں اور بچوں سے پوچھنے لگیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ ایشال نے بتایا کہ امی میں انہیں وہ باتیں بتا رہی ہوں جو آپ نے مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتائی تھیں۔ امی نے کہا یہ تو بہت اچھا ہے۔ جو بھی اچھی باتیں معلوم ہوں وہ ضرور دوسروں کو بتانی چاہیے تاکہ انہیں بھی معلوم ہوں۔ بچے ایشال کی امی سے کہنے لگے آنٹی ہمارے ذہن میں کچھ اور سوال آ گئے ہیں آپ ہمیں بھی ہمارے سوالوں کے جواب دیں۔ بچوں میں سے عبداللہ نے کہا۔ ایشال کی امی کہنے لگیں ٹھیک ہے آؤ ہم اِس بارے میں باتیں کرتے ہیں۔

عبداللہ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے بارے میں قرآن حکیم کا کیا حکم ہے؟

بیٹا قرآنِ حکیم ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔ ہم اللہ کی ذات کی حقیقت کے بارے میں نہیں جان سکتے اور نہ ہی یہ ہم سے مطالبہ ہے۔ اللہ وہ بلند ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے اور جس کے سامنے انسانی عقل محوِ حیرت رہ جاتی ہے۔ انسان تو کائنات کا تصور نہیں کر سکتا تو پھر اُسے پیدا کرنے والے کا تصور کیسے کرے گا۔ اُس کا اقتدار پوری کائنات پر ہے اِسی لیے اُسی کی حاکمیت اور محکومی اختیار کی جائے۔ قرآن حکیم بھی ہمیں اللہ کے وجود کا پتہ دیتا ہے کیونکہ قرآن جیسی کتاب کوئی انسان نہیں لکھ سکتا۔ ہمارا

اللہ سے تعلق بھی قرآن مجید کے ذریعے ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مراد بھی یہی ہے کہ اُس کے قوانین جو قرآن مجید میں ہیں اُن پر عمل کیا جائے۔ صرف یہ مان لینا کافی نہیں کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا خدا ہے بلکہ خدا پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کے حکم اور قانون پر عمل کریں۔

عبداللہ۔ اللہ پر ایمان لانے کا ہمیں اپنی عملی زندگی میں کوئی فائدہ بھی ہے؟

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اُس کی حاکمیت قبول کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ اللہ ہم سے اپنا حکم منوانا چاہتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہوتا ہے یا اللہ کو ہماری اطاعت کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اِس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ہم اگر اللہ کا حکم نہ بھی مانیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ وہ تو پوری کائنات کا رب ہے اور ہر چیز اس کی اطاعت کرتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز اُس کے حکم کی پابند ہے۔ سورج، چاند، زمین اور ستارے اُس کے متعین کئے ہوئے راستہ پر گامزن ہیں اور ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں کرتے۔ ہماری حیثیت تو کائنات میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ پر ایمان لانے یعنی توحید سے خود ہمیں بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ پر ایمان سے انسانوں کو دوسرے انسانوں سے مکمل آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ کوئی شخص بھی کسی دوسرے پر اپنا تسلط نہیں جما سکتا۔ توحید سے انسانوں کو عزتِ نفس اور وقار ملتا ہے اور دوسروں کی بالادستی اور تسلط سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جاتی ہے۔ صرف ایک ہی طاقت ہے جس کی سب نے اطاعت کرنی ہے۔ اب مذہب کے نام پر کوئی دوسروں کو اپنا محکوم نہیں بنا سکتا۔

ایشال۔ امی قرآن مجید میں اللہ کے بارے میں کیا آیا ہے؟

قرآن مجید میں اللہ کی بہت سی صفات بیان ہوئی ہیں انہیں اسماء الحسنٰی کہا جاتا ہے۔ اِن ناموں میں اللہ تعالیٰ کی صفتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اِن کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ کے بارے میں جانتے ہوئے وہی خوبیاں اپنے آپ میں پیدا کرتا جائے تاکہ انسانی ذات کی نشوونما ہوتی جائے اور اس طرح وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں کئی جگہ پر اللہ کے ہاتھ اور کان کا ذکر ہے جن کا مطلب ہماری طرح کے ہاتھ اور آنکھ نہیں بلکہ یہ سمجھانے کے لیے ہے کہ اللہ کے پاس ہر طرح کی قدرت ہے۔ اِسی طرح اللہ کے عرش اور کرسی کا مطلب بھی اللہ کی حاکمیت اور کائنات پر مکمل اقتدار ہے۔

عبداللہ۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کیا مراد ہے۔ اللہ جو چاہے وہی ہوتا ہے تو پھر ہم کوشش کس طرح کر سکتے ہیں؟

یہ بہت ہی اہم سوال ہے اور اس کے جواب میں یہ سمجھو کہ اِس کے تین مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ تھا جب اللہ تعالیٰ اِس کائنات کی تخلیق کر رہا تھا اُس وقت اللہ نے اپنی مرضی سے کائنات کو بنایا اور اس کے اصول بنائے جس میں کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اُس نے جیسے چاہا کائنات اور اُس کی اشیاء کو بنایا۔ جب کائنات اور اُس کی اشیاء کی تخلیق ہوگئی تو پھر دوسرا مرحلہ آیا جس میں وہ تمام چیزیں اور اشیاء اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت چلتی ہیں۔ کائنات کی تمام چیزیں اللہ کے بنائے ہوئے قوانین اور اصولوں کی اطاعت

پر مجبور ہیں اور اُس میں لمحہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ کوئی بھی اللہ کے بنائے ہوئے قوانین میں میں تبدیلی نہیں کرسکتا۔ اُس نے آگ میں جلانے کی صفت پیدا کی، پانی میں نشیب کی طرف بہنے کی صلاحیت، زمین میں کشش ثقل رکھ دی جو ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اِسی طرح تمام اشیاء میں خوبیاں اور صلاحیتیں رکھ دی ہیں۔ اس کے بعد تیسرا مرحلہ وہ ہے جس میں اُس نے انسان کی تخلیق کی اور انسانوں کے لیے بھی قوانین بنائے ہیں۔ انسانوں اور کائنات کی دوسری چیزوں میں فرق یہ ہے کہ باقی سب کے پاس کوئی اختیار نہیں جبکہ انسان کے پاس اختیار ہے اور انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ یعنی انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اللہ کے حکم کے مطابق چلے یا چاہے تو نافرمانی کرے لیکن جو نافرمانی کرے گا اُسے غلط راستہ پر چلنے کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ اگر ہم اپنی مرضی سے کوئی غلط کام کریں اور پھر یہ کہہ دیں کہ یہ تو اللہ کی مرضی تھی تو ایسا کرنا غلط ہے۔ اگر تم سکول نہ جاؤ تو ظاہر ہے کہ تم اگلی جماعت میں نہیں جاسکتے اور یہ تمھارا اپنا قصور ہے مگر تم یہ کہو کہ اللہ کی مرضی ہی ایسی تھی تو یہ بالکل غلط بات ہوگی۔ یہی اصول زندگی کے دیگر تمام شعبوں کے لیے ہے۔ اللہ کی مرضی یا اُس کا چاہنا دراصل اللہ تعالیٰ کا قانون ہوتا ہے۔ ایک مسلمان صرف اللہ کے قانون پر عمل کرتا ہے۔ وہ قانون ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ قرآن مجید کی صورت اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بھیجا ہے۔ ہمیں وہی کرنا چاہیے جو اللہ کی مرضی ہو اس طرح ہی ہماری یہ زندگی خوشگوار بھی ہوگی اور اگلی زندگی میں بھی کامیابی ملے گی۔

مضمون نویسی کا انعامی مقابلہ

سب سے زیادہ مظلوم کون؟

ہم اس کی مظلومیت کو کیسے کم کرتے کرتے ختم کرسکتے ہیں۔

مضمون 5 صفحات سے کم نہ ہو۔

بھیجنے کی آخری تاریخ 23 مارچ تک ہوگی۔

اوّل انعام ایک ہزار روپیہ

پتہ / رابطہ:۔ ملک حنیف وجدانی صدر باغبان ایسوسی ایشن سنبل سیّداں۔ نیومری

مقبول محمود فرحت (لندن)

قائداعظمؒ کا ایک نایاب انٹرویو

(امسال قائداعظمؒ کی سالگرہ کی مناسبت سے ہم قائداعظمؒ کا ایک نایاب انٹرویو پیش کر رہے ہیں جو محترم مقبول محمود فرحت کی تحقیق اور جستجو کے نتیجہ میں دستیاب ہوا ہے۔ یہ نایاب انٹرویو روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ 8 جنوری 1942ء میں شائع ہوا۔ اس انٹرویو کی دستیابی کی تفصیل فاضل محقق نے اس اِنٹرویو کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ لکھ دی ہے جو کہ اس کے ساتھ ہی شائع کی جارہی ہے۔ یہ نایاب اِنٹرویو پاکستانیات کے طالب علموں اور دانش ور حضرات کے لئے بہت مفید اور مددگار ثابت ہوگا۔ مدیر)

نقل بمطابق روزنامہ انقلاب' 8 جنوری 1942ء

(سرورق اصل میں 8 دسمبر 1942ء غلط پرنٹ ہے مگر لاہور میوزیم لائبریری نے اسے کاٹ کر 8 جنوری کیا ہوا ہے کیونکہ اندر کے تمام صفحات میں 8 جنوری پرنٹ ہے۔)

(صفحہ نمبر 2 پر خبر)

مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ

پاکستان کے مسلمان کسی دوسرے اسلامی ملک کو دعوت نہیں دیں گے

مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کے متعلق قائداعظم کے ارشادات

قائداعظم مسٹر محمد علی جناح حیدرآباد تشریف لائے تھے تو فوراً 19 اگست 1941ء کو راک لینڈ کے سرکاری مہمان خانے میں آپ نے طلباء اور دیگر نوجوانوں کو تبادلۂ خیالات کا موقع عنایت فرمایا تھا' باوجود علالت کے پون گھنٹہ سے زائد وہ حاضرین سے گفتگو فرماتے رہے۔ اس موقع پر نواب بہادر یار جنگ بھی وہیں تشریف فرما تھے اور بعض ہندو نوجوان بھی۔ قائداعظم نے مختلف سوالات کا خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ مسٹر محمود علی بی۔اے (عثمانیہ) نے اس مکالمہ کو سوال و جواب کی صورت میں حسب ذیل طریقہ سے مرتب کرلیا تھا اور اب قائداعظم کی سالگرہ کی تقریب سعید کے موقع پر اورینٹ پریس کو دے دیا ہے۔

سوال: مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب: جب میں انگریزی زبان میں مذہب Religion کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کی رو سے' میرا ذہن لامحالہ خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہوجاتا ہے لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم نہیں۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلّا۔ نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلام کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی' سیاسی ہو یا معاشی' غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی

ہدایات اور طریق عمل نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے۔

سوال: اس سلسلے میں اشتراکی حکومت وغیرہ کے باب میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: اشتراکیت۔ بالشویت یا کئی اور ایسے سیاسی اور معاشی مسلک دراصل اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی نظام کے اجزاء کا سا ربط، تناسب اور توازن نہیں پایا جاتا۔

سوال: ترکی حکومت تو ایک مادی اسٹیٹ یا حکومت ہے۔ اس سے اسلامی حکومت مختلف ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: ترکی حکومت پر میری نظر میں سیکولر اسٹیٹ (مادی یا لازمی حکومت) کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی۔ اب رہا اسلامی حکومت کے تصور کا امتیاز یہ صاف ظاہر ہے۔ حکومت کے تصور کا بنیادی امتیاز پیش نظر رہے کہ ''اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے اس کی تعمیل کا ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن مجید کے احکام ہی سیاست، معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصولوں اور احکام کی حکمرانی ہے۔ آپ جس نوعیت کی بھی حکمرانی چاہتے ہوں بہرحال آپ کو سلطنت اور علاقہ کی ضرورت ہے۔ (اورینٹ پریس، بحوالہ روزنامہ انقلاب لاہور، مورخہ 8 جنوری 1942ء)

Liberal leaders send a telegram to British Prime Minister.

Muslims Point of View

Quaid-i-Azam speaks on the necessary requisites of religion and a religious government.

Quaid-i-Azam Mr Muhammad Ali Jinnah went to Hyderabad and immediately on 19th August 1941 gave an interview to university students and others at Rockland State Guest House . In spite of his illness he spoke more than 45 minutes. On this occasion Nawab Bahadur Yar Jung and some Hindu students were also present.

He answered various questions in cheerful countenance. Mr. Mahmood Ali BA wrote down the interview and converted this discussion into a Question & Answer format and now has sent it to Orient Press of India on the occasion of Quaid-i-Azam birthday.

Q: What are the necessary requisites of religion & a religious government?

A: When I hear the word 'religion', it conjures up in my mind the English usage of a private relationship between man and God. But I know full well that according to Islam, 'religion' does not carry the connotations that it does in English. I am neither a maulvi nor a mullah [Muslim cleric], nor do I claim expertise in theology. But I have studied the Holy Qur'an and the laws of Islam by myself. This great Book contains guidance for every aspect of human life, whether spiritual, or social, or political, or economic, and nothing [of

these aspects] is excluded. The Qur'an's principles and injunctions are not only in the best interests of Muslims; in fact in an Islamic state, non-Muslims will be treated better and accorded more rights than can be conceived anywhere else.

Q: In this connection what is your opinion about a Communist government?

A: Communism, Bolshevism or any other similar political and economic systems are a crude rudimentary copy of Islamic System. These have no match at all with the all embracing and balanced tenets of Islam.

Q: Turkish government is a secular state or a government. An Islamic government is totally different to it. What is your opinion?

A: In my opinion political definition of a secular, materialist government is not fully applicable on Turkish government.

"There is a special feature of the Islamic state that must not be overlooked. Here obedience is due to God, and in practice this means observing Qur'anic principles and injunctions. In Islam, authority belongs neither to a king, nor to a parliament, nor to any individual organisation. Qur'anic injunctions determine the limits of our civil liberties and obligations in the political or social context. In other words, the 'Islamic state' is the name of the authority that enforces Qur'anic principles and injunctions, and this in turn requires a territory".

END

I want to share with you this rare historical interview given by Quaid-i-Azam to students of Usmania University, Hyderabad, India.

I needed it for a reference to be quoted in a booklet. After three years search I found it in Lahore Museum Library two years ago. The editors of Roznama Inqilab were Maulvi Ghulam Rasool Mehr & Col Abdul Majid Salik.

On the title page the date was incorrectly printed by the printing press as 8th December 1942 but inside pages, date is correctly shown as 8th January 1942. .

A sinister and satirical campaign by nationalist Muslim Ulama and anti Pakistani groups was made to discredit Quaid-i-Azam in the eyes of the ordinary Muslims that "he was a secularist, totally westernised Muslim just by name. He ate pork and drank liquor. He did not know an iota of Qur'an and Islamic ideology". One famous Indian Imam ridiculed Jinnah by saying "Is he Quaid-i-Azam or Kaafir-i-Azam".

Having said that please read this interview and draw your own inference. I think the explanation and interpretation of Qur'anic laws & Islamic jurisprudence essential for an Islamic state given by Jinnah is the best I have ever read anywhere. It is utterly surprising that not even one Pakistani politician, historian, writer has ever mentioned this interview. Is it not a conspiracy by secularists and nationalists!

(Maqbool Farhat, UK)

اشتہار

پورا صفحہ

قرآنک فاؤنڈیشن

Surah Al-Mulk Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 4

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

Dear Friends! Today is October 21, 1983 and the *Dars-e-Qur'an* begins today with verse 15 of chapter 67 of the Qur'an.

If you remember we originally started our discussion of planets and stars and the purpose of their creation and how some people (astrologers, in particular) use their movements to predict human destiny. The Quran declared that predicting human destiny like this is *Kufr*. It says that not just the planets and stars but whatever is in the Universe has been made subservient to humans.

Proceeding further we come to the verse (67:15) now. It says: "The Almighty has created for your development the means of sustenance and made them subservient to you. You should thus seek ways to acquire these means and bring forth the sustenance for the benefit of *all*. He has bestowed these for your use." In this verse the Arabic word "*zaloolan*" means that the Earth (is under your feet and) has been made subservient to you.

Everything in the Universe has been made subservient to humans

Leave aside the Heaven; just consider the Earth. We live on this planet. We travel in all its regions, and partake of the sustenance that it provides. We use different methods to acquire its resources. It does not refuse to deliver its sustenance. It does not stand up and oppose us. Although it is such a large planet its status is nothing compared to an individual human being. Human beings are able to exploit it in any way they like and it does not refuse to deliver.

Dear friends! I have mentioned that in the Quran there is '*Rahmat'* and there is '*Rububiyah'*. *Rahmat* means providing nourishment the way a child gets its nourishment in mother's womb. In this process there is no effort exercised by the child. His nourishment comes from outside of him. But it does not mean that this nourishment comes from the external world. This comes from the mother's body but he gets it automatically. The child is in no position to exercise any effort to get his nourishment for himself at this stage. But the method of getting this nourishment changes as soon as he is born. Now at his stage in his life, he gets his nourishemnt from the milk of his mother's breast. Also, now, he has to make effort to suck this milk, and the mother has to

breastfeed him. You see that in the external world it is a world of cause-and-effect. Beyond this stage, the nourishment comes from food. In this whole process all the basic needs of sustenance have already been provided by Allah: If He has created human beings then He has also provided the sources of sustenance for them. Before birth the sustenance was inside the mother's womb and after that it is in the sources of sustenance available outside, but for which the human beings have to make *effort*. These sources of sustenance are from Allah but humans have to make effort to get it. In other words, we can say that since Allah has created these sources of sustenance so it belongs to Him, and since humans *have* to make *effort* to get this sustenance, so they should have their share in the output based on their effort expended.

Difference in the thinking of Momin and Kafir

Up to this stage *Momins* and *Kafirs* are alike. Whoever wants to get sustenance from the Earth can get it. Whosoever makes effort will get it, and one who makes more effort can get more. In this process so far, the question of *Iman* and *Kufr* does not arise. But after this sustenance has been acquired, then how should it be distributed? The real question comes here. This is the place where the question of *Kufr* and of *Iman* arises. If the sustenance thus acquired is distributed according to an economic system based on one's own wishes, one's own goals, one's own individual or national or any other subjective interests, then the result is misery. Today more than half the population of the Earth sleeps hungry because of this. But even those who get some portion of this sustenance through the implements of this economic system, the condition is such that what is available to the *dogs* of the rich even that is not available to the poor people's *children*. The sources of sustenance are all created by Allah and only from them all sustenance is derived. But after that this *difference* has occurred. This is the difference between *Kufr* and *Iman*. The Quran says: "*Wa Ilaihin Nushoor*". However, from our traditional translations we cannot understand this difference.

Dear friends! First, notice that the Earth has been made subservient to humans! Then, pay attention to what Allah has said: Use different means to acquire sustenance. Now after acquiring this sustenance the traditional translations say: After death you are to return to Him. In this translation we do not see a connection between the first part of the verse and this next part. What this returning to Him after death is to do with acquiring sustenance? We do not see any logical connection here. But there is a logical connection

which is this: Now, you have acquired the sustenance. As mentioned before, *Kafirs* and *Momins* are equally included up to this point. But *how* to distribute the acquired resources? This is where the difference starts.

Spreading sustenance according to Allah's law

Dear friends! The Quran now points out a major point of departure from this point onwards. The words "*Nushur*" or "*Nashr*" means to spread, to expand, to publish. "*Naashir*" means publisher, as for example, we have publisher for books. "*Manshoor*" means to publish and to announce to everyone like the way new leaves and branches announce their arrival in the spring after the fall season. This, in Arabic, is called "*Nushoor*". The question earlier was: How to spread the sustenance thus acquired (67:15). The Quran says: "*Wa Ilaihin Nushoor* (67:15)" That is, this sustenance will be distributed according to the values and the laws of the Quran. What a beautiful relationship this brings up with the first part of the verse! The Earth has been created by Allah and not by humans. It is *He* who made the Earth subservient to humans. The Earth can never disobey humans. This is a great power which humans have over the Earth. Humans can tap into and extract any amount of its resources. The Earth is for everyone whether *Kafir* or *Momin*. Its resources are equally available for everyone. By putting appropriate effort anyone can acquire its resources. Now the next step is to distribute and spread the resources. It is to turn dry fall trees into endearing spring trees.

The Quranic meaning of '*Ilaihi'*

Dear friends! After the word '*Rizqihi*' (i.e., sustenance) is the word '*Ilaihi*'. It means that (after you have acquired the sustenance then) get the guidance by turning yourselves to Allah (i.e., turning to His Book, the Quran) and spread the sustenance in accordance with His guidance. If this happens all your sustenance becomes good and *halal*. *This* will be the *Islamic* way. On the other hand, if the sustenance is distributed according to human wishes and selfish interests then this will be bad and tantamount to *Kufr*. *This* was the function of *Ilaihin Nushoor* to spread the sustenance. But, instead of doing this, the Quran says you make your own system and you ignore the principles and the laws of Allah. The next part of the verse is translated as "Have you become fearless of what is in the heavens?" And its meaning is traditionally taken as "The God who is in the Heaven". In our culture we turn our eyes towards the sky when we think of God. We think he is observing us from up there. But, in the Quran, Allah says: "And He is with you wherever you may be

(57:4)". So, it does not make sense to say that He is up there in the heaven. Actually, it is mentioned in the Quran that He is God of the Heaven as well as God of the Earth. Saying that He is in the Heaven or He is in the Earth is meaningless. It is meaningless to make any spatial reference to Allah! The question of "where?" arises only for material things which can be at only one place at one time.

The definition of '*Arsh* according to Hadith

Allah is beyond our all these concepts. It is not that He is in the Heaven, or He is sitting on '*Arsh* (platform) and this platform is in the Heaven. You may remember the hadith about this platform being held on the horns of mountain goats! Dear friends! It is completely meaningless to talk that Allah is sitting in the Heaven.

The revelation that comes from Allah is referred to as '*nuzool*' which has the meaning of coming down from above. Whether they are the laws of nature running the Universe or the revelation given to Prophet Mohammad (PBUH) as guidance (laws) for running the worldly lives of human beings, they both have come down from above. The concept here is only this much: That these laws have been sent down from above. These are *not* created by human beings. These have been given by Allah to the world. Would you then not fear? Would you then not fear of the bad consequences that are bound to happen to you if you violate His laws?

The distribution of sustenance *must* be done on the basis of nourishment for *all*

In relation to sources of sustenance the very first words of the Quran are: *"Alhamdu Lillahi Rabbil 'Aalemeen",* which means that Allah-given sustenance is open to *all*. Therefore, if the distribution of this sustenance is based on any class or status it will no longer be in accordance with the Quran. In other words, this sustenance will no longer be of Allah but it will be of humans; *this* system will be *Kufr* and *will not* be Islam. Allah says: You acquired the sources of sustenance from the Earth We created. After you have acquired it you *do not* distribute it according *Our* measure; you *do not* spread it according to *Our* instructions; but you distribute it according to your *own* laws and systems and, as a consequence, you bring death and destruction. So, is it the case that you have become so insulated and so fearless that you think OK! He created these resources and sources of sustenance. So what?! We will use it the way we want. This essentially

means you *do not care* what Allah says. You think that after creating these things He has no longer control over these resources. Suppose, if Allah were to make the entire Earth barren and fallow then which other god would you turn to to correct this situation? Allah created this Earth and made it able to produce crop and sustenance, and if He were to usurp this ability from the Earth then who can give this ability back to the Earth? Although it is up to humans to acquire the knowledge to extract benefit from it and to improve it, but the fundamental ability that Allah has put into it to produce sustenance no human can create it. This thing cannot happen mechanically. Said He: if this is the situation; that if the Earth is made barren; or if it is made dustbowl; or if it is made desolate; then tell Us what would be your fate? If even some part of the Earth becomes like this; becomes desolate and without any type of sustenance; then a great catastrophe occurs in that region. But imagine if it occurs to the entire Earth then what kind misery and catastrophic situation will humans face?!

Dear friends! The style of the Quran is so amazing! It clarifies issues by putting them into proper context and gives examples of perceptible things in lucid manner. The next verse (67:17) says that think how secure and protected you are on this Earth? How many huge planets are out there in space and, here you are, peacefully living on the Earth? If these planets were to break up into pieces and start falling on Earth then where will you go to seek protection? If the Earth becomes barren you will die but, nevertheless, at least you will be alive for few days. On the other hand, if huge rocks start raining down on you then you will be exterminated in seconds. That is why Allah says that We gave you both: sustenance and security. Don't you realize that there is an authority in control of all of this? And this authority is such that its relationship to humans is that of *Rahmat* and *Rububiyat* i.e., of provider of sustenance, nourishment and development. He created these things so that you could remain in security, and get sustenance; but, here you are, doing your own bidding? Do you think all this is joke?!

Wrong distribution system is *the* source of misery and destruction

Here in this verse (67:17) a warning is given similar to the warning we discussed earlier in verse (67:8). Humans are being told that since all these resources are available to you from the Universe *for free* then you should create a system of distribution for spreading these resources according to the laws and values given by Allah, the Creator and real Owner of this Universe. Only then you will remain in peace and security. If you will not do that then,

alright, this Earth will not become barren and rocks will not rain on you? But there is this systemyour wrong system of distribution*this* will bring upon you such a destruction that it will be even more terrifying and dangerous than the other two (67:17). From this you will soon find out about the warning that was given to you and you used to dismiss it as a joke. You will soon see the destruction of your wrong system which you did not believe that it will ever come. Slowly but surely, this destruction *will* come which will be the result of your wrong system of distribution of Allah-provided resources. Actually, even now the whole world is engulfed in this hell but, we Muslims, do not to come out of our *"Bismillah's minarets"* to see it.

Today the entire Europe and America are standing on the edge of destruction

We seem to be oblivious of the fact that the peoples of Europe and America, who are so advanced compared to us, of how they are crying at the hands of their wrong system of life. They are not able to understand as to why this is happening to them. Their economic situation is such that they are giving aid to the rest of the world. On the other hand, our situation is such that rich and poor alike are all living in fear and anxiety, and cannot relax. Europe and America have acquired control over the forces of nature. So far so good! But it is that next step *Ilaihin Nushoor* that is missing there. Against this, they have established a system that is based on self-interest and self-control over the Allah-given resources. The result is that and we Muslims, of course, do not count at all in this! what you call superpowers, they are suspicious of each other so much so that they feel scared and afraid of future. All their energy is being spent in this worry that if the other powers invent new technology or are able to develop new high-tech weapons then what will happen to us? Then they get obsessed with developing new ways and inventing new technology of war. If one side says that we have developed new missiles that will reach New York then the other side starts thinking of what will be the strategy of protection from it. They say that we will launch new satellites and planes to detect and destroy it. That is, all their thinking is being focused to handle these kinds of situations and all their energy is being spent on developing newer and more powerful killing machines.

Fear and anxiety everywhere

My dear friends! This way, all over this Earth, there is no security to humans at the *hands* of humans. Think now what the Quran said: Do you think you will

get peace and security with your wrong system in place? What a word the Quran uses for this *'am-amintum'*?! Are you able to achieve security by your policies of self-interest and self-control? How is it possible that with your wrong system and wrong policies you would be able to achieve peace and security?! In fact, the situation has deteriorated to such an extent that even for individuals there is no peace and no security. Contrary to this, we are told in the Quran that the characteristic of Allah's system is that there will be no fear and there will be no anxiety: "*Wa laa khaufun 'Alaihim wa laa yahzanoon*". There will be no heart-aches and no feeling of sadness in this system. There will be peace and security at *every* level. If we *spread* the Allah-created resources, if there is "*Ihain Nushoor"* then this *will* be the ultimate result.

From Nature's evidence to history's evidence

Dear friends! After Nature's evidence the Quran now presents history's evidence in support of its argument for establishing an economic system based on "*Ihain Nushoor*". It says that pay attention to the history of previous nations what happened to them when they established wrong systems. If you want to see the functioning of Our control and if you want to know how much power is in Our laws? then observe these birds small or big, light or heavy, all kinds of birds. Have you noticed how they keep on flying without any support? On the other hand, if you throw even a tiny object it falls to the ground. The birds increase their speed and heights by spreading their wings and drawing them in constantly at regular intervals. If you want to create movement in anything a similar process of squeezing and releasing is needed. Arabs used the word '*Qabdh'* for this. It is amazing how these desert people had reached this level of sophistication in creating meanings in words! Then the Quran says: Who could uphold these birds in the sky like that?! Think also for a moment that We created laws that sustenance for birds is not just at one place but spread around. Mammals can move around a short distance to acquire their sustenance. But migratory birds travel more than three or even four thousand miles at the change of seasons in search of sustenance. When sustenance of birds is distributed over such long distances then the birds have also the ability to fly at high speeds to travel these long distances. Their physical design has been made ideally suited for such long journeys. Do you see how Allah not only created all the things but also He is not oblivious or unmindful of His creation? In fact, He is watching over everything all the time. He knows everything about His creation and their

requirements.

Which other powers besides Allah stand against the power of His laws?
Allah has created all that is necessary for nourishment and development for everything. He created laws for them. If Allah has done this then, leave aside individuals, is there any army that could help anyone in opposition to Him? Or, can anyone bring such an army that could help you against Him? There is no question about it. If this Earth stops producing sustenance then not even the most powerful army in the world will be able to survive. The Quran says that what to say of individuals you can bring all the powerful armies against Allah and then this will become evident that those who deny the power Allah's laws are actually involved in self-deception. They have great misunderstanding about themselves. They think they have all the power and control. They think they can do anything they want and there will be no consequences for their wrong behavior; that they will not be held accountable for their destructive policies. They do not accept that some higher authority will hold them accountable. What a self-deception they are engaged in?! What a height of vanity they are displaying?! Vanity, in reality, is self-deception. In it, the human becomes engaged in misunderstandings about himself.
Everything happens through the laws of Allah and though He has the power to change these laws He does not change them (10:64). He is all-knowing and all-wise. He has created the Universe and everything in it. He knows which of his creations needs what type of sustenance, and has provided laws for it accordingly. It will never happen that the law (pertaining to flight) changes in the middle of the flight and a bird suddenly drops from the sky. No one can overpower the law or change it. That is the reason the Quran says: "Is there anyone who could provide you with sustenance if He were to withhold His provision from you (67:21)?" Here, again, the same issue of sustenance is mentioned. And again, it is the wonder of the Arabic language to covey precise meaning for precise situation. Take this word "*Rizq*" which is translated as sustenance; but it has this added condition in the original Arabic that this sustenance must be *available* when it is *needed*! If one dies of hunger then what is the use of any sustenance after that. So, this verse says that if Allah were to withhold His sustenance from you then what would you do? He says: Look at this? We are explaining this to humans through reason and knowledge; we are providing argument based on evidence and proof evidence from Nature is in front of their eyes but, in spite of all this, they are under the grips of emotional hatred and arrogance. The Quran says: One

who is using his sight and there is light; and has determined the way leading to the destinationall these are there for him. On the contrary, there is the other one who has determined neither his goal nor his way; there is no light and he does not want to open his eyesand he is moving along blinded. In that case then, could these two travelers ever be equal? Now, it is not just that one should open one's eyes but, also, one should use reason, knowledge, and intellect to reach one's goal. That is, use of knowledge and intellect, and use of all the senses to decide matters all these are prerequisites for achieving one's goal. Thus from all of the above the final conclusion based on logical reasoning and knowledge, then, is that sources of sustenance have been created by Allah, the Almighty, for *equal* access by *all* human beings.

Whether they are human abilities or Earth's sustenance, all are gifts from Allah

Dear friends! The Quran says that all human abilities including thinking and knowledge are given by Allah to humans: "[God is] He who has brought you [all] into being, and has endowed you with hearing, and sight, and hearts: [yet] how seldom are you grateful!" (67:23). Do you see how the Quran brings our attention to this? From talking about sources of sustenance it brought our attention to the world of human beings and says that those who use their God-given senses to move forward with reason and understanding cannot be equated to those who do not.

Humans use their five senses to acquire information from outside and decide what to do in a particular situation. But what is it inside a human that makes the decision. Let us say someone heard the sound of a gunshot and then he heard the sound of a human cry. He realizes that the sound of cry seems familiar. What is it in him that decides whether or not to go out and look for himself? In earlier days people used to say that my heart decided this or that. People now say that my mind decided this or that. Now, after extensive research, scientists have come to the conclusion that it is not the mind which *decides* things in fact, its adjective "mental" is being used now for mental sickness and mental hospital. The Quran uses the word "*Qalb*" in some places and "*Fuad*" at other places for the human faculty that makes decision. This is an inside faculty that acts on outside information to reach a decision. Allah says that when He created humans he also created sources of sustenance and gave humans all these abilities. The question then is: After acquiring the sustenance from all these sources *how* it is being used; and how should it be *used*?

The real question is proper use of God-given abilities

The question is fundamental, i.e., the abilities which humans have to acquire knowledge, how do they use it; in what context they use it; and for what purpose do they use it? The Quran says: "There are very few who use it properly and are thankful" (67:23). We find that there is no *proper* distribution of Allah-given resources anywhere in the world. We find that there is no *proper* use of Allah-given ability to acquire knowledge anywhere. This is a great tragedy for the entire humanity!

The *only* common link on this Earth is our *shared* humanity

The Quran says: O Prophet (PBUH)! Tell them Allah created you on this Earth; you ended up spreading all over the Earth; your population multiplied across many continents. It is okay that you have spread out. Apparently, there seems to be no connection between a person in Asia and one in Africa. In spite of this, there is one common value that links all human beings on this planet Earth. It does not matter if humans are spread out in distant places and multiple continents. By being humans they are all linked with one *common* value. Laws of Nature apply equally to *all*. Air and water are equally necessary for survival for every human being no matter where they live. What is the thing that binds all humans together? Just as there are physical laws for regulating the animal part of human beings, there are also laws for regulating the human part of human beings. For example, *"oppressors cannot be successful"* is a *law* just as "life cannot exist without water" is a law. And this *higher* law (pertaining to the human part of human beings) applies equally to *all* humans who are involved in oppression: it is not that an oppressor from the East is subject to this law and an oppressor from the West is not; or the Pharaohs of the past were punished but the Pharaohs of the future will go scot-free. Oppression won't succeed: This *is* a *law* that is equally applicable to *all* humans for *all* times. Now consider this: the word "*Hashr*" has been used in verse (67:24) and the word "*Nashr*" in verse (67:23). Our traditional translations say that both words refer to things that will happen in the Hereafter, after death. But these verses are not related to things that will happen only after death. The next verse will make it clear to us that all the things mentioned above are, in fact, related to this life *here*, in *this* world.

One humanity, therefore one law

Dear friends! The Quran says that Allah spread human beings everywhere: Wa *Ilaihi Tuhsharoon* (67:24)". Instead of translating that you will gather

together it is better to translate this way: There is one law that is applicable to all humans; all are equal in front of that law; everyone is advancing his step towards that law; no one can be beyond the grip of that law; all are proceeding towards that law; that is, '*tuhsharoon'* is happening to all humans. Just as no one can escape the grip of the physical law for example, when thirsty, everyone tends to proceed towards water exactly in a similar way everyone is moving towards this law of '*tuhsharoon'*. No one feels this movement (since this is not something physical), but, nevertheless, the movement *is* taking place. Also, it is not that this will happen sometime in future but that *this* is happening right now in present. There is evidence to support this law.

Dear friends! This is not my personal opinion. To have personal opinion in the Qur'an is *shirk*; it is as if one tries to be God. The Qur'an itself speaks through its own mouth. One should not put one's own personal words in Qur'an's mouth. Now, how to know that the movement is happening right now and not that it will happen after death? The next verse says: “They ask: When will this promise be (fulfilled)? - If you are telling the truth (67:25)”. You say that oppressors will be destroyed but we see that they are highly successful. Why don't you bring the destruction if you are truthful? We also face similar questions now-a-days as well. Allah says to the Prophet (PBUH): Tell them that it will happen according to the law of requital! Allah is the one who knows when. I cannot say when it will happen because my job is only to warn you that if you continue to move in the wrong direction then you will self-destruct yourself. My responsibility is only to warn you that you are treading on a destructive path. Say: "As to the knowledge of the time, it is with Allah alone: I am (sent) only to warn plainly in public" (67:26).

Only Allah knows the time “when” the result of wrong action will appear

When *does* it happen? There are many nations whose time of destruction due to their wrong actions took centuries to appear. There are many results which appear quickly. Someone's heart may fail quickly but there are many diseases that take many years to appear. Now, if someone asks when will death come? No one can tell when. The Prophet (PBUH) is saying that I am only warning you about this. “Yet in the end, when they shall see that [fulfillment] close at hand, the faces of those who were bent on denying the truth will be stricken with grief; and they will be told, "This it is that you were [so derisively] calling for! (67:27)". Those who were telling the Prophet (PBUH) that this is just talk; that where is the destruction you are warning us about?; that oppressors are successful and who could get them? but when they are

now facing destruction in its strong grip of the law of requital then they are down and completely powerless. That time it will be told to them that *this* is the destruction you were mockingly asking the Prophet (PBUH) to bring. You people used to ask him: Tell me who can get us, and who can punish us? Now you see what a severe grip it is that has engulfed you?! What a style the Qur'an has! This is it that you used to sarcastically ask Us to bring. In other places in the Qur'an it is said that they used to ask: Bring the destruction you are warning us about quickly so that we can see it with our own eyes? This is it then you were hurrying for the final destruction. Also, when they were told about this destruction, the Qur'an says that they used to be very sarcastic and say: Tell us that when that destruction comes which you are warning us about again and again, then, where would *you* be? Where would *your* followers be? Can you tell us what would *their* condition be? What an amazing style the Qur'an has for explaining these things?!

The talk of warning is not about us, but about *you*

The Qur'an says that leave aside what would happen to us whether we will be in its grip or whether we will be under Allah's mercy and protection. The same attitude prevails now-a-days as well. When someone warns others that you people will face bad consequences of your wrong actions then they do not analyze their wrong behavior and correct themselves but they sarcastically say that you leave us alone and worry about yourself! This is the normal reaction from most people. The Qur'an says: SAY [O Prophet]: "What do you think? Whether God destroys me and those who follow me, or graces us with His mercy - is there anyone that could protect you deniers of the truth from grievous suffering?" (67:28).

So, do not worry about us as to what will happen to us, but worry about yourselves as to what will happen to *you*? We are talking about you. We are presenting the message to you to think about it and to find out for yourselves whether or not it is true. Ponder on why you are denying the reality and truth of this law. When the destruction befalls due to your wrong actions then *who* would protect you?!

The Qur'an does not engage in debate

The Qur'an does not engage in what will happen to whom as in back-and-forth type of debate. It says to the wrong doers that don't gloat by asking others “what about you?” or “what will happen to you?” Others will find out for themselves about what will happen to them. This is an amazing style of the

Qur'an! It does not indulge in endless arguments. It just says: leave aside what will happen to us. Just pay attention to what is being presented to you and reflect on whether it is true or not. If it is true which is the case then think what will be your fate? Just think about yourselves, and don't worry about us!

Believing in Allah means believing in His laws

As far as, our fate is concerned: Say O Prophet (PBUH): "He is (Allah) Most Gracious: We have believed in Him, and on Him have we put our trust: So, soon will ye know which (of us) it is that is in manifest error (67:29)." The meaning of this belief is that we have accepted that His laws, that His guidance, that His commandments all of them are real and just, and are based on the Truth. What He says is bound to happen. We believe in this fact. We have 100% conviction about it. This *is* the meaning of Iman. Otherwise, what difference does it make if I say I believe in God and the other person says I don't? But it does make a difference if we say with100% conviction that whatever Allah has told in the Qur'an is bound to happen with 100% certainty (67:29); that we have full faith and trust in His laws. And that treading the wrong path brings destruction; that whatever remedial measures He has prescribed will save us if we follow them. Our full conviction in His laws is itself His help: This is how we will remain in peace and security. How could there be any fear of any kind in people with this level of conviction and commitment in Allah's law?

Who is in what state, will be known very soon?

Dear friends! As for the question of whether or not the results will appear in this world the Qur'an talks about this very clearly. It says: You will *soon* know about it (67:29). If you start pondering you will understand that your wrong steps are producing wrong results. *Here*, in *this* world, you will know who was right and who was wrong. If the bad results come here *then* only it is possible for humans to act on corrective measures and save themselves. If not, then what is the point of knowing the bad results if there is no chance of redemption, no chance of atonement? This is "*fa-sa-ta'alamoon*"; you will know *soon* here in *this* world.

Dear friends! We originally started our discussion that the sources of sustenance are for the benefit of all human beings and not for any control or personal possession. It was said that O Prophet (PBUH) make them understand this! Now it is said: O Prophet Say [unto those who deny the truth]: "What do you think? If of a sudden all your water were to vanish

underground, who [but God] could provide you with water from [new] unsullied springs?" (67:30). First, the talk was about sustenance. Now it is about water. Allah says that do you see the water coming from down below? When scientists want to find out if there is life on any planet they first try to find if there is any trace of water there or not. The Qur'an said 1400 years ago: "ARE, THEN, they who are bent on denying the truth not aware that the heavens and the earth were [once] one single entity, which We then parted asunder? and [that] We made out of water every living thing? Will they not, then, [begin to] believe?" (21:30). Also, in barren deserts, where there is no sign of water over long distances, if one sees some bird flying then one can conclude that there must be water nearby as water is necessary for life.

Life depends on water

The Qur'an told 1400 years ago that life depends on water. The Arabs, its first audience, living in deserts knew how impossible it was to find wells in those deserts. The Qur'an says you do not know how deep the water is, but, since your life depends on water, We have created water fountains buried deep underground with the ability that the water gushes out of them to the surface. Suppose Our law was that the water went down instead of coming up, then, although there will be water, but what can you do? Even in our areas where wells are common, the water level goes so deep in summer time that it becomes out of our reach. And many fountains become dry as well in summer time. If fountains become dry there is no authority that can create water in them. In the deserts of Arabia, life revolved around wherever there was any water. Arabs used to call this *Jannah*. This is the reason whenever the Qur'an talks about *Jannah* it mentions running water. We cannot appreciate how important water was to Arabs (unlike us when we open the tap and there is water). So, the Qur'an is asking: Do you appreciate how dependent are you on the sources of sustenance provided by Allah, and how they play a fundamental role in your life? Do you realize what Allah provides and what part humans play in all of this?

Ideal society, Allah's created resources, human effort, and Qur'anic way of life

Certain verses of Surah Al-Waaqi'ah present contrast between human effort and Allah-provided resources in a clear, direct, succinct, and interesting way. Sustenance is the product of Allah-created sources and human effort. When these two combine then we have output that sustains human life: Natural

resources are given by Allah and the effort is provided by humans. Qur'an says: Have you pondered what happens when you sow your seed (56:63)? You throw the seed in the ground. But after that, do *you* grow the seed or *We* do (56:64)?

Dear friends! This is Arabic language. In the verse (56:63) the word used is "*Tuhrathoon*" and in verse (56:64) the word used is "*Zaar-i-'oon*". This is the same as we use "Zaraa-'et" for farming. Allah is saying here that from that seed do *you* produce the shoot or *We* do (i.e., Our law does)? What an example Allah gives! Simple and clear! No one can deny it. Tell what part of the contribution is *yours*? You tilled the ground; prepared the soil; put fertilizer; and sowed the seed. Until this point this is *your* effort. Now tell, after this *who* produces the shoot from the seed? *Who* turns it into a plant? Do *you* do it or *We* do? *Remember*! This happens according to *Our* law. Also, remember that if it were not for *Our* law then it is possible that nothing grows from the seed, or it is also possible that it grows into a plant and then it burns and gets destroyed (56:65-66). In this case instead of you getting 700 grains from every seed even your seeds will be wasted. Tell if *Our* law does not help *your* efforts then what can you do based on your effort alone (56:68)? Then, the Qur'an goes further: The water you drink on which your life depends, do *you* produce it from the rain or *Our* law does it (56:69)? Think about it! How the water basically depends on rain drinking water fit for human consumption brewed fresh from oceans' waters. All this system of waterworks Allah has created for you: from fountains; from wells that you dig in the ground; canals that you also dig; these are all fine. But the water itself, who created it?! You put effort in creating different water systems but you did not produce the water itself, We produced it. Your farming depends on water. There will be no farming if there is no water. But if it is like the Oceans' water then you cannot drink it or even use it for farming.

Allah says that have you pondered on Our comprehensive system of waterworks? From the oceans' water which you cannot drink even one sip how Sun's rays lift pure brewed water leaving behind all the chemicals and salts in the oceans. Then this water is carried in the form of clouds and how it travels large distances? If all that water in clouds again goes into oceans in the form rain and does not reach where it is needed, then what will happen? Have you pondered on all these things? Our winds yes! You did not produce these winds! come and take these clouds from here and there where pure and fresh water is needed. And We store the extra water in them in the form of snow on the top of mountains for your use in summer. When the snow melts

then all that water travels in the form of rivers. Now, be honest and tell: Who do all these systems of waterworks with perfect delivery mechanisms belong?

Now ponder on firewood which you burn and from which you derive so many benefits (56:71). Is the wood created by you? Yes! You take advantage of this fire in different ways but who put the ability of fire inside the wood? Have you pondered on the fact that wherefrom the secret flames came inside the green branches of trees (56:72)? Putting this fire deep inside the veins of dry branchesis it of *your* creation or of *Our* law's? This, you must not forget and always keep in front of you (56: 73). This was a *joint* enterprise between you and Allah. You provided the effort and We provided the resources. Only then the output was produced. Therefore, according to honest and ethical business practice we must divide the result of this common business. You take your share and give Us Our share.

Life's best business

You take your share according to your effort expended but all the basic investment was Ours. All this We have described to explain to you what *is* at stake here. Give Us *Our* due share. Then only you will be considered an honest and fair businessman. If you fail to do that, and if We withhold Our investment then try to produce output on your own? But listen! How are you going to do that? You can *never* succeed in doing that, no matter what. So, in one word, give Us Our share. You ask Me: Sir! Thou are not in front of us; nor Thou eat or drink; so whom to give Thou share? Give to the needy (*Mataa-'al-lilmuqween*) (56:74). Give it to the hungry. It will reach Us. *Mataa'a* are the things that a traveler takes with him on a trip, but only as much as it is necessary for survival no more than that; and never for hoarding. So, give Our share to the needy. This is a joint business and this must be based on honesty and trust. If you will not do that then remember! We will pull Our hands from this business! And when We do that then according to the shining hadith of the Prophet (PBUH) "In any town if a single person sleeps hungry then Allah pulls it hands of protection from that town."

Dear friends! Surah Al-Mulk is finished today. We will take up Surah Al-Qalam in the next dars.

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)